شہریت کے حقوق وفرائض
قرآن وحدیث کی روشنی میں

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر حسن السید خطاب

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

شہریت کے حقوق وفرائض
قرآن وحدیث کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر حسن السید خطاب ☆

الحمدلله رب العالمین الملک الحق المبین و الصلاة و السلام علی النبی الامی سیدنا محمد ﷺ و آله و أصحابه و سلم و التابعین لهم باحسان الی یوم الدین و بعد!

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ اس کا شمار ایک ایسے رابطہ کے طور پر ہوتا ہے جو حکومت کو شہریوں سے مربوط کرتا ہے، وہ محض فرد اور حکومت کے درمیان ایک تعلق ہی نہیں ہے بلکہ ایک عملی کردار کا نام ہے جس کا اثر تمام شہریوں پر پڑتا ہے، اور جس کے نتیجہ میں تمام افراد شہریوں کے درمیان باہمی مساوات کی اہمیت کا ادراک کرتے ہیں، یہیں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شہریت معاشرہ میں تمام افراد کی کامل رکنیت کی حیثیت کو اس پر مرتب ہونے والے حقوق وفرائض کے ساتھ تسلیم کرتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ قوم کے تمام ہی فرزندان جو وطن کی سرزمین پر زندگی گزارتے ہیں بلا کسی امتیاز کے سب برابر ہیں، قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں شریعت نے شہریت کے حقوق کو تسلیم کیا ہے، انہی آیات میں سے ایک آیت ہے:

"لاینهاکم الله عن الذین یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم وتقسطوا الیهم ان الله یحب المقسطین" (سورہ ممتحنہ ۸:)۔

(جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی ہو اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ہو، ان کے ساتھ سلوک واحسان اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تمہیں نہیں روکتا، بے شک اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک سے زائد مواقع پر یہودیوں سے مصالحت کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہریت ایک عمومی حق ہے اور یہ کہ تمام مذاہب کے پیروکاروں کا احترام کرنا، ان کے حقوق ادا کرنا اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا لازم ہے، اس طرح تمام گروہوں اور جماعتوں کے لئے عمومی نقطہ اتحاد واجتماعیت دراصل وہ شہریت ہے جس

☆ پروفیسر اسلامک اسٹڈیز کلیۃ الآداب المنوفیہ یونیورسیٹی، مصر۔

کا سرچشمہ نص شرعی ہے، جوہر زمانہ اور ہر علاقہ کے موافق حکومت کی تشکیل کی
بنیادوں کا لحاظ کرنے والی ہے، اور جس کا مطلب صرف شہریت کے حقوق وفرائض ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب وہ عمومی فرائض وذمہ داریاں بھی ہیں جو ہر شہری کے کندھے پر ڈالی گئی ہے، اور جب اسلام کے روسے شہریت کا یہ مطلب ہے کہ جس کے نتیجہ میں ہر شہری کے ذمہ حقوق کے ساتھ ایسے فرائض بھی ہیں جو معاشرہ میں انسانی تعلقات اور رابطوں کو مستحکم کرتے ہیں، ہر ایک کے حقوق اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتے ہیں، امن وامان اور عدل وانصاف فراہم کرتے ہیں، میں زیر تحریر اس مقالہ کی تیاری میں اللہ تعالی سے خیر کی توفیق مانگتا ہوں جس
وفرائض: قرآن وسنت کی روشنی میں نی نی۔

موضوع کے انتخاب کی اہمیت:

اس موضوع کی اہمیت کا خلاصہ اس طرح ہے:

شہریت ایک وطن کے تمام باشندوں کے حقوق وفرائض پر مشتمل ہوتی ہے، اس لئے اس مقالہ میں ان بہت سے مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو آج معاشرہ پر چھائے ہوئے ہیں، جن میں سیاسی، ثقافتی ومعاشرتی حالات کی دشواریاں بھی ہیں جن سے آج عام طور پر پورا معاشرہ گزر رہا ہے، اور خاص طور پر مصری معاشرہ دوچار ہے، اور وہ چیلنجز بھی ہیں جن کا سامنا معاشرہ کر رہا ہے، کیونکہ شہریت کے فقہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے یہ حالات ملک کی سالمیت اور اس کی داخلی وحدت سے متعلق ہیں۔

آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ معاشرہ کی داخلی وحدت کو مضبوط کیا جائے، یہ بات یقینی ہے کہ شہریت کے حقوق وفرائض کی فعالیت اس میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے، کیونکہ شہریت اس رابطہ وتعلق کی نمائندگی کرتی ہے جو حکومت وملک کو اس کے شہریوں اور باشندوں سے جوڑتا ہے۔

یہ مقالہ مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے:

تمہید، مقدمہ، چار مقاصد، خاتمہ:

تمہید میں مقالہ کا خاکہ، منہج وانداز اور اس کے انتخاب کے اسباب پر گفتگو کی گئی ہے۔
مقدمہ میں شہریت کے لغوی واصطلاحی معنی کی وضاحت کی گئی ہے۔
مقصد اول میں قرآن وسنت کی روشنی میں شہریت کی بنیادوں اور خصوصیات پر بحث کی گئی ہے۔
مقصد دوم میں قرآن وسنت کی روشنی میں شہریت کے شرعی اصول بیان کئے گئے ہیں۔
مقصد سوم میں قرآن وحدیث کی روشنی میں شہریت کے فرائض کی وضاحت کی گئی ہے۔
مقصد چہارم میں قرآن وحدیث کی روشنی میں شہریت کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے۔

خاتمہ میں اس بحث کے نتائج اور تجاویز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس بحث کے اولین نتائج حسب ذیل ہیں:

۱۔اسلام فرد مسلم کو وطن سے مربوط رہنے اور اس کے لئے وفاداری پر آمادہ کرتا ہے۔

۲۔شہریت صرف اس بات کا تقاضہ نہیں کرتی ہے کہ انسان وطن پر عائد ہونے والے اپنے واجبی حقوق کو حاصل کرے بلکہ اس پر یہ بھی لازم کرتی ہے کہ وہ وطن سے متعلق اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق بھی ادا کرے۔

شہریت کے حقوق میں سے حفاظت کا حق ،عقیدہ کی آزادی کا حق ،انصاف میں مساوات کا حق ،وطن کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ پوری آزادی کے ساتھ آنے جانے کا حق ،کانفرنسوں ،اجتماعات وجلسے اور انتخابات میں شرکت کی آزادی کا حق جیسے حقوق شامل ہیں۔

اسی طرح شہریت کے فرائض میں بھلائی کے کاموں میں امیر (ولی امر) کی اطاعت ،وطن کا دفاع اور حفاظت ،وطن کے قانون کا احترام اور دوسروں کی آزادی اور ان کی خصوصیات کا احترام شامل ہے۔

مقدمہ:

مواطنہ (شہریت) کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

مواطنہ (شہریت) کی لغوی تعریف:

مواطنہ (شہریت) لغت میں مفاعلہ کے وزن پر ہے جو موطن بروزن مفعل سے ماخوذ ہے ،موطن اور وطن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں ،لسان العرب میں مذکور ہے:

وطن وہ جگہ ہے جہاں آدمی رہتا ہے وہی اس کا جائے قیام اور ٹھکانہ ہوتا ہے ،وطن بالمکان اور اَوطن دونوں اَقام کے معنی میں ہیں ،یعنی قیام کرنا ،وطن بنانا ،کہا جاتا ہے أوطنه أي اتخذه وطنا یعنی اس نے فلاں قام کو وطن بنایا ،اور موطن جنگ کے میدان کو بھی کہا جاتا ہے ،اس کی جمع مواطن ہے ،قرآن کریم میں یہ لفظ آیا ہے ،اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"لقد نصر کم الله فی مواطن کثیرة"** (سورہ توبہ ۲۵:) **"أوطنت الارض ووطنتها واستوطنتها"** یہ فعل مختلف ابواب سے استعمال ہوتا ہے ،اور سب کے معنی ہیں' میں نے اس سرزمین کو وطن بنایا نیز اسی طرح توطین باب تفعیل سے آمادہ کرنے کے معنی میں آتا ہے ، مثلا **"توطین النفس علی الشئی"** یعنی نفس کو کسی چیز کے لئے آمادہ کرنا (لسان العرب ،ناشر دار صادر بیروت ،ج ۱۳ ،ص ۴۵۱:)۔

وطن اصلی اس شہر اور جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان پیدا ہوا اور جہاں وہ رہتا ہے ،اور وطن اقامت اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرتا ہے ،البتہ اس جگہ مستقل رہائش اختیار نہیں کرتا (التعریفات ،باب

وُنی ج۱،ص۳۲۷:)۔

چنانچہ مواطنہ (شہریت) دراصل وطن کی نسبت ہے،اس کا مطلب اس جگہ کی طرف نسبت کرنا ہے جس کو اس نے وطن بنایا ہے،اور جب مفاعلۃ کا صیغہ عربی زبان میں طرفین (یعنی دو شخصوں یا چیزوں) کے درمیان اشتراک فعل کا فائدہ دیتا ہے، جیسے دو شریک (پارٹنرز) کے درمیان شرکت کا معاملہ، کسان اور مالک زمین کے درمیان بٹائی کا معاملہ،تجارت میں صاحب مال اور محنت وعمل کرنے والے کے درمیان مضاربت کا معاملہ،تو اسی طرح مواطنہ (جو مفاعلہ کے وزن پر ہے) کے معنی ہوں گے: ملک کے باشندوں اور وطن کے درمیان اشتراک عمل کا معاملہ۔

اس اعتبار سے مواطنہ (شہریت) کا معنی ہے وہ بھروسہ منداور معتبر جذبات واحساسات جو شہری اور وطن کے درمیان پائے جاتے ہیں، بسا اوقات بعض احساسات فطری وتکوینی ہوتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان مختلف ہو سکتے ہیں ،کیونکہ شہری کے اعتبارات اس کی شخصی، روحانی، جذباتی، لسانی، قومی، مادی اور تاریخی اعتبار سے یا اس کی تعلیم وثقافت کے معیار اور اس کی شخصیت کے لوازمات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

لوگوں کی تعلیم وثقافت اور ان کے اعتبارات کے اختلاف کی وجہ سے ان کی قسمیں مختلف ہیں، اور ان کے نزدیک وطن اور موطن کے مفہوم کا دائرہ اور اس کے متعلق ہونے والے الفاظ اور صیغوں کے مفہوم کا دائرہ بھی مختلف ہے، چنانچہ جو اپنے قومی ترانہ میں قومی احساس وشعور میں ڈوبنا چاہتا ہے وہ یہ ترانہ گاتا ہے:

"بلادالعرب أوطانی" سارا ملک عرب میرا وطن ہے

اور جس کو اپنی قومیت سے زیادہ اپنے دین کی فکر ہوتی ہے وہ یہ شعر گنگناتا ہے:

اضحی لنا الاسلام دینا

وجمیع الکون لنا وطنا

اسلام ہمارا دین ہے اور ساری کائنات ہمارا وطن ہے۔

بہرحال وُطن نی کے لغوی معنی ہیں وہ منزل یا ٹھہرنے کی جگہ جہاں آدمی قیام کرے،اس مفہوم کے دائرہ میں مواطنہ (شہریت) کا مطلب ہے کسی حکومت یا ملک کی مکمل رکنیت جس میں شہریوں کو بعض حقوق حاصل ہوں، جیسے اجتماع کرنے کا حق، ووٹ دینے کا حق، عام مناصب پر فائز ہونے کا حق، اسی طرح بعض ذمہ داریاں اور فرائض بھی عائد ہوتے ہیں مثلاً ٹیکس ادا کرنے اور اپنے ملک کے دفاع کے ساتھ دیگر بہت سی ذمہ داریاں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں مواطنہ (شہریت) کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

مواطنہ (شہریت) فرد اور حکومت کے مابین ایک ایسا تعلق ہے جس کا تعین اس ملک کا قانون کرتا ہے اور جس

کے ضمن میں بعض حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ساتھ ہی بعض ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں (الموسوعۃ العربیۃ العالمیۃ، ص ۱۱۰:)۔

اس تعریف میں اگرچہ مواطنہ (شہریت) کے لغوی اور عرفی معنی کے بعض عناصر کا لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے وہ جگہ جہاں آدمی قیام کرے، اور یہی وطن اور موطن کا لغوی اور اصطلاحی مدلول ہے، اسی طرح شہری اور اس کے وطن کے درمیان اشتراک عمل جو مواطنہ کے صیغہ کا مدلول ہے، مگر یہ تعریف ان تمام معانی سے مختلف ہے، علاقہ کے دائرہ اور وہاں پر قائم حکومت کے اعتبار سے، شہری اور حکومت کے درمیان اشتراک عمل کی نوعیت کے اعتبار سے اور وہاں کے نظام وقانون کے مطابق اس پر مرتب ہونے والے حقوق وفرائض کے اعتبار سے۔

ماہرین سیاست کی ایک جماعت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مواطنہ (شہریت) صرف فرد اور حکومت کے مابین تعلق ہی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک عملی اور تجرباتی کردار ہے جس کا اثر تمام شہریوں پر پڑتا ہے، اور جس کے نتیجہ میں تمام لوگوں کو دین ومذہب، رنگ ونسل اور جنس کی تفریق کے بغیر تمام شہریوں کے مساوات کی اہمیت کا ادراک ہوتا ہے۔

چنانچہ اس تعریف کے اعتبار سے مواطنہ (شہریت) مساوات کی بنیاد پر قائم ہونے والی کی حکومت میں شہریوں کے درمیان ایک عملی وتجرباتی کردار ہے، یہ صرف ایک قانونی تعلق کا نام نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مواطنہ (شہریت) ایک اصطلاح ہے جو کسی قوم یا وطن کی جانب نسبت کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس طور پر کہ وہ معاشرہ میں ایک کامل ومساوی رکنیت ہے جس پر بہت سے حقوق وفرائض مرتب ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ابنائے قوم جو وطن کی سرزمین پر زندگی گزارتے ہیں، بلا کسی امتیاز کے سب کے سب برابر ہیں، خواہ وہ امتیاز کسی بھی تحکیمی معیار پر ہی کیوں نہ قائم ہو، جیسے دین یا جنس یا رنگ یا اقتصادی معیار یا سیاسی وابستگی یا فکری موقف (المواطنۃ فی زمن العولمۃ، مصنف: السید یاسین، ناشر: الدار المصریۃ، قاہرہ، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، ص ۲۲:، المواطنۃ والوطنیۃ: انتماء ووعی، مصنف: دکتور حسن طوالبۃ، ص ۱۲:)۔

مواطنہ اسلامی فقہ کی روشنی میں:

سیاسی مواطنہ (شہریت) کی اس کے آخری معنی کے اعتبار سے فقہ اسلامی کے معیار میں کوئی صحیح جگہ نہیں ہے کیونکہ فقہ اسلامی نے اپنی تشریع میں تمام انسانوں کے درمیان پائے جانے والے بہت سے فروق کو مٹایا اور باطل قرار دیا، چہ جائیکہ وہ ایک ہی وطن کے تمام باشندوں کے درمیان ہو، اور کسی بھی معنی کے اعتبار سے ہو، البتہ اس نے ایسے فروق کو مانا ہے جو عقلاء کے نزدیک بھی معتبر ہے، نیز اپنے مخصوص پیمانے سے دیگر فروق کو بھی وضع کیا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لایستوی القاعدون من المؤمنین غیر أولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله بأموالهم وأنفسهم

فضل الله المجاهدين بأموالهم وأنفسهم على القاعدين درجة وكلا وعدالله الحسنى وفضل الله المجاهدين على القاعدين أجرا عظيما" (سورہ نساء ۹۵:)۔

(جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہے وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال وجان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں، جو لوگ اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھے رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے، اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے، اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر بڑی فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے)۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من أموالهم**" (سورہ نساء ۳۴:)۔

(مرد عورتوں کے نگراں ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**يأيها الناس انا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان أكركم عندالله أتقاكم ان الله عليم خبير**" (سورہ حجرات ۱۳:)۔

(اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم سب سے زیادہ عزت والا ہے وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے باخبر ہے)۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض**" (سورہ نساء ۳۲:)۔

(اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو)۔

شارع حکیم نے رنگ ونسل اور وطن کے فرق کو مٹایا ہے، لیکن ساتھ ہی اس نے بعض دیگر فروق کو قائم کیا ہے، جیسا کہ ان مذکورہ آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات میں ان کا ذکر ہے، اور وہ بہت ہی زیادہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے، یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ سیکولر نظریہ انسانوں کے درمیان پائی جانے والی برتری وفوقیت میں دین اور دین سے وابستگی کے کسی کردار کا قائل نہیں ہے، جیسا کہ آسمانی مذاہب اور آسمانی شریعتوں میں ہے۔

پہلا مقصد: شہریت کی بنیادیں اور خصوصیات۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں:

شہریت انسان کی کسی متعین علاقہ اور ملک کی طرف نسبت ووابستگی کا نام ہے، چنانچہ یہ چند باتوں کا تقاضہ کرتی ہے، جن میں سے کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ نئے معنی کے اعتبار سے ملک یا حکومت کا وجود ہو۔

۲۔ ایسے وطن کا وجود ہو جس میں تمام سرگرمیاں جاری ہوں یا وہ ایسا علاقہ ہو جس کی سرحدیں متعین ہوں۔

۳۔ فرد اور حکومت کے درمیان اجتماعی تعلق قائم ہو۔

۴۔ معاشرہ کے افراد کے درمیان پرامن بقائے باہم کے ضابطہ کا التزام ہو۔

۵۔ حقوق وفرائض میں باہمی اشتراک ہو۔

۶۔ حکومتی نظام کا احترام ہو، اور دستوری، قانونی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی، اور تہذیبی سطح پر حاکم سے اس کا تعلق ہو۔

چنانچہ شہری مقررہ ضمانتوں کے سایہ میں پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے اور اپنی مصلحتوں کا اظہار کرسکتا ہو۔

شہریت کی بنیادیں:

معاشرہ میں شہریت اچھی شکل میں فروغ پاسکے اس کے لئے دو بنیادوں کا پایا جانا ضروری ہے:

پہلی بنیاد: آزادی اور حاکم کی طرف سے ظلم واستبداد کا نہ ہونا

دوسری بنیاد: دین، مذہب اور عرف سے قطع نظر حقوق وفرائض میں تمام شہریوں کے درمیان مساوات وبرابری کا پایا جانا، یہ دونوں بنیادیں اسی وقت پائی جاسکتی ہیں جب مندرجہ ذیل نظام موجود ہو۔

۱۔ سیاسی نظام: جس کا مقصد جمہوریت کی خدمت ہے، جو دراصل قوم کی حکومت قوم کے ذریعہ اور قوم کے لئے ہے۔

۲۔ قانونی نظام: جس کا مقصد شہریوں کے حقوق اور اس کے فرائض کا جاننا ہے۔

۳۔ اجتماعی نظام: اس نظام کا دارومدار وطن کی محبت اور وطن کے حقوق کی معرفت پر ہے، اور اس عملی کردار پر ہے جس کے ذریعہ ابناء وطن پر عائد ہونے والے حقوق کا احترام ظاہر ہوتا ہے، جیسے وطن اور وطن کے باشندوں کا دفاع، اسی طرح ان کے حقوق اور حکومت کے حقوق کا دفاع وغیرہ۔

شہریت کی خصوصیات:

اسلام میں شہریت کا سیاسی وشہری مفہوم کے علاوہ ایک دینی مفہوم بھی ہے، جیسے اسلامی اخوت کا مفہوم، یہی وجہ

ہے کہ اسلام میں شہریت نے نسلی، دینی، تہذیبی تنوع کے باجود اعتدال اور توازن پیدا کیا ہے، جبکہ دوسرے معاشرہ میں شہریت نسلی، دینی، اور ثقافتی کشمکش کے راستہ پر چل پڑی، اور مغرب تو ان مقابلہ آرائیوں کی انتہاء پر پہونچ گیا ہے، اس لئے کہ اس نے شہریت کو نسلی رجحان سے ہم آہنگ کر دیا، جیسا کہ بیسویں صدی میں دو عالمی جنگوں نے اس کا آشکارا کر دیا، اسلام میں شہریت امت اسلامیہ اور اس کی وحدت کے ساتھ ولاء وفاداری کے تعلق سے معارض نہیں ہے، کیونکہ شہریت اسلامی تناظر میں ایک انسانی مفہوم ہے نہ کہ نسلی، اور وہ تمام مسلمانوں کو شامل ہے، چنانچہ اسلام میں شہریت تمام شہریوں کے لئے ان حقوق کی ضمانت دیتی ہے جن کو حقوق انسانی کے نام سے جانا جاتا ہے، کیونکہ یہ رواداری کے قاعدہ پر قائم ہیں، چنانچہ یہ صرف نعرہ ہی نہیں ہے بلکہ تعمیر واستحکام کا ذریعہ بھی ہیں، اس لئے کہ اس کی بنیاد آزادی ومساوات پر ہے، چنانچہ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے جامع انسانی وحدت کی طرف بلایا تا کہ لوگ محبت وتعاون اور امن وسکون کے سایہ میں زندگی گزار سکیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس موضوع پر دلالت کرنے والے نصوص کثرت سے ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"**یأیھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ**" (سورہ نساء ۱:)۔

(اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا)۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"**یأیھاالناس إن ربکم واحدوان أباکم واحد کلکم من آدم وآدم من تراب ان أکرمکم عنداللہ أتقاکم لیس لعربی علی عجمی فضل إلا بالتقوی**" (شرح مسلم للنووی، ج ۱۱، ص ۱۶۷:)۔

دوسرا مقصد: مواطنہ (شہریت) کے شرعی اصول، قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اسلامی شریعت نے متعدد مواقع پر شہریت کے حق کی تائید کی ہے، جن میں چند اس طرح ہیں:

۱۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"**قالوا یاشعیب مانفقہ کثیر مماتقول انا لنراک فینا ضعیفا**" (سورہ ہود ۹۱:)۔

(وہ بولے اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو)۔

یہاں لفظ "فینا" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے کفر کے باوجود ان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، اور وطنیت وشہریت میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

۲۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے کہا:

”اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم“ (سورہ یوسف ۵۵:)۔

(آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیجئے، یقین رکھئے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے اور میں پورا علم رکھتا ہوں)۔

حالانکہ اس وقت بادشاہ کافر تھے، یعنی مصر کے بادشاہ اور ان کی قوم۔

۳۔اسلام نے یہ ثابت کیا ہے کہ تمام لوگ اپنی اصل، جنس اور فطری میلان ورجحان میں یکساں اور برابر ہیں، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی شہریت اور وطن کی محبت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔

مذکورہ باتوں کو ہم درج ذیل سطور میں تلاش کرتے ہیں:

(الف) اللہ تعالی نے وطن سے نکالنے کو صراحت کے ساتھ قتل نفس کے برابر قرار دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

”ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم مافعلوہ الا قلیل منھم“ (سورہ نساء ۶۶:)۔

چنانچہ وطن کے ساتھ یا وطن کی نسبت کے ساتھ مضبوط تعلق ووابستگی انسانی طبیعت ومزاج میں شامل ہے، اور نفس انسانی میں چھپی ہوئی فطرت ہے، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”**لولا حب الاوطان لخرب بلدالسوء**“ یعنی وطنیت انسان کے لئے ایک لازمی ضرورت ہے، گرچہ وہ ملک غریب ہی کیوں نہ ہو، اور وہاں کے باشندہ برے اور بدمعاش ہی کیوں نہ ہوں۔

(ب) جب اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا تو آپ ﷺ نے اپنے اس وطن کی طرف دیکھا جس میں آپ پیدا ہوئے یعنی مکہ اور فرمایا:

”واللہ انک لأحب البلاد الی ولو لاأن قومک اخرجونی منک ماخرجت“

(خدا کی قسم اے مکہ تو مجھے تمام شہروں سے سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر تیری قوم نے مجھے تجھ سے نہ نکالا ہوتا تو میں نہ نکلتا)۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے آپ کی تسلی خاطر کے لئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

”ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد“ (سورہ قصص ۸۵:)۔

(ج) قرآن کریم وطن کے دفاع کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد گرامی ہے:

”ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا...“ (سورہ آل عمران ۱۶۷:)۔

اوپر بیان کردہ آیات واحادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وطن کی محبت انسان کو وطن کے دفاع کے لئے راستہ میں جان دینے پر آمادہ کرتی ہے، اور یہ بالکل اسی طرح مشروع وجائز ہے جس طرح اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے

جہاد کرنا مشروع ہے۔

۴۔اسلام میں شہریت کا دائرہ وطن اسلامی کے جغرافیائی وعلاقائی حدود سے زیادہ وسیع ہے،اوروطن کا ہر فرد خواہ مسلمان ہو یا معاہد اس وطن کا شہری ہوتا ہے،اس لئے کہ وہ امت مسلمہ کا ایک رکن ہے، جسے ہر طرح کے حقوق حاصل ہیں،اوراس پر تمام قسم کی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، چنانچہ مسلمانوں کا کوئی ایک مخصوص وطن نہیں ہوتا ہے، بلکہ سارے اسلامی مما لک اس کا وطن ہیں،اورعلاقائیت کے تنگ مفہوم میں وطن سے اس کی محبت بالعموم پوری امت مسلمہ سے اس کی محبت مانع نہیں ہوتی، چنانچہ تمام شہری وطن کے تنگ دائرہ میں غنیمت وتاوان اورنفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ، اور یہی پہلا دائرہ ہے، پھراس کا دائرہ مزید وسیع ہوتا ہے، تاکہ تمام مسلمانوں کے اندر وحدت وقوت پیدا کی جائے ،ان کی عزت وکرامت کی حفاظت کی جائے ،اوراس میں پوری امت مسلمہ شامل ہوں۔

اس کا تقاضہ ہے کہ مسلسل آپسی تعاون کوفروغ دیا جائے ،اورتعاون کے حلقے قائم کئے جائیں جوایک دوسرے کوتقویت پہونچائیں، چنانچہ اجتماعی زندگی کی حفاظت تودفاع کے پے درپے اقدام سے کی جاسکتی ہے، جوایک کے بعدایک ہو،اورآخر میں اس سب کا فائدہ اوربھلائی پوری امت کے مفاد کے لئے ہو، کیونکہ یہ ایک امت ہے، جسے چھوٹی چھوٹی مصلحتیں ٹکروں میں نہیں بانٹ سکتیں اورجس کے مضبوط وجامع رابطہ کومعمولی وجزئی مسائل نہیں توڑ سکتے ،اسی وجہ سے اس آیت کے لئے ایک امت کی تعبیر اختیار کی گئی ہے نہ کہ ایک قوم کی، چنانچہ اس امت کی عمارت کسی بھی اسلامی مملکت کے ایسے معاشرہ کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے جس کے اندر متعدد نظریات اورمختلف رنگ ونسل کے لوگ رہتے ہوں، ان کے مقاصد واغراض بھی مختلف ہوں، مگر وہ سب ایک ہی عقیدہ پر ایمان رکھتے ہوں، ایک ہی شریعت کے سایہ میں زندگی گزارتے ہوں، اورایک ہی اخوت وبھائی چارگی ان سب کوایک لڑی میں پروتی ہو، جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :**''انماالمومنون اخوۃ''**(سورہ حجرات ۱۰:)۔

۵۔مدینہ منورہ کے معاہدوں میں شہریت کا مفہوم:

موجودہ زمانہ کی حکومت کے مفہوم کے ظاہر ہونے سے پہلے اوردسمبر ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کے عالمی اعلان پر اتفاق سے بھی پہلے ہی اسلام نے عہد نبوی ہی میں شہریت کے اصول وضوابط کو بیان کر دیا۔

شہریت کے اصول بیان کرنے میں اسلام کی یہ سبقت اس معروف معاہدہ نامہ میں بھی ظاہر ہوتی ہے جوصحیفہ مدینہ کے نام سے معروف ہے، یہ معاہدہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد اوربعثت نبوی کے ۱۳ سال بعد ۶۲۲ ھ میں کیا تھا،اس معاہدہ نے دو باتیں نمایاں کیں:

اول: نئے وطن میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوا۔

دوم: تہذیبی واعتقادی تنوع (یعنی مسلمانوں ،یہودیوں اوراوس وخزرج کے مشرکین جوایمان نہیں لائے تھے)اورنسلی تنوع (مکہ سے ہجرت کرکے آنے والے مہاجرین جومتعدد عدنانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے،نصار جوقحطانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے،اور یہود جوسامی قبائل سے تعلق رکھتے تھے) کے باوجود مدینہ کا معاشرہ ایک امت میں ڈھل گیا۔

صحیفہ مدینہ یامعاہدہ نامہ کے دفعات جن سے شہریت ثابت ہوتی ہے،اور جسے ہمارے زمانہ میں دستورمملک کہاجاتا ہے:

نبی کریم ﷺ نے اس وقت جب آپ کی عمرشریف ۵۳ سال کی تھی،یعنی ہجرت کے پہلے سال بعثت کے تیرہویں سال مطابق ۶۲۲ ھ مسلمانوں اور مدینہ کے دیگر گروہوں اور باشندوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا، یہ پہلا سیاسی معاہدہ تھاجو ۴۸ دفعات یافقروں پر مشتمل تھا،اس معاہدہ کی بعض دفعات اس طرح ہیں:

یہ تحریر محمد نبی ﷺ کی جانب سے ایمان والوں اور قریش ویثرب کے اطاعت گزاروں کے درمیان اوران لوگوں کے درمیان جنہوں نے مسلمانوں کی تبعیت اختیارکی،ان سے مل گئے اوران کے ساتھ جہاد میں شامل رہے:

۱۔ یہ سب لوگ (دیگرلوگوں کوچھوڑکر) ایک ہی امت ہیں۔

۲۔ کوئی مشرک کسی مسلمان کے خلاف قریش کے مال یاان کے افراد کو پناہ نہیں دے گا،اور نہ ان کے درمیان حائل ہوگا۔

۳۔ یہودیوں میں سے جنہوں نے ہماری تبعیت اختیارکی ہے ان لئے مدداورحمایت ہے،ان کے ساتھ ظلم نہیں کیاجائے گا،اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی،ان کے موالی بھی ان کے ساتھ ان کی طرح ہیں،سوائے اس کے جوظلم کرے یا کسی جرم کاارتکاب کرے،اس وقت وہ خوداپنے کواوراپنے گھروالوں کوہلاک کرنے والا ہوگا۔

۴۔بنی عوف کے یہودایمان والوں کے ساتھ امت ہیں،یہود کے لئے ان کادین ہے اورمسلمانوں کے لئے ان کادین ہے۔

۵۔ یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ کریں گے جب تک حالت جنگ میں ہوں گے۔

۶۔ یہود کے ذمہ خودان کا خرچ ہے،اورمسلمانوں کے ذمہ ان کا خرچ ہے۔

۷۔بنی حارث کے یہود کے لئے اس جیسے حقوق ہیں جوبنی عوف کے یہود کے لئے ہیں۔

۸۔بنی نجار کے یہود کے لئے اسی جیسے حقوق ہیں جوبنی عوف کے یہود کے لئے ہیں۔

۹۔بنی حبشہ کے یہود کے لئے اسی جیسے حقوق ہیں جوبنی عوف کے یہود کے لئے ہیں۔

۱۰۔بنی ثعلبہ کے یہود کے لئے اسی جیسے حقوق ہیں جو بنی عوف کے یہود کے لئے ہیں۔

۱۱۔بنی اوس کے یہود کے لئے اسی جیسے حقوق ہیں جو بنی عوف کے لئے ہیں۔

۱۲۔ثعلبہ کا بطن (شاخ) جفنہ بھی خود ان کی طرح ہے (یعنی ثعلبہ کی طرح)

۱۳۔بنی شطیبہ کے لئے بھی اسی جیسے حقوق ہیں جو بنی عوف کے یہود کے لئے ہیں۔

۱۴۔یہ معاہدہ بھلائی و نیکی کے کاموں میں ہے، نہ کہ گناہ کے کاموں میں۔

۱۵۔ثعلبہ کے موالی بھی خود ثعلبہ کی طرح ہیں۔

۱۶۔یہ کہ اس معاہدنامہ یا میثاق پر اتفاق کرنے والوں سے جو جنگ کرے گا اس کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد لازم ہوگی۔

۱۷۔یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی و خیر اندیشی اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے گا، برائی اور گناہ کے کاموں میں ساتھ نہیں دیا جائے گا۔

۱۸۔کوئی شخص اپنے حلیف کے ساتھ مخالفانہ کاروائی نہیں کرے گا۔

۱۹۔مظلوم کی مدد و نصرت کی جائے گی۔

۲۰۔مدینہ کے اندر کشت وخون کرنا اس معاہدہ پر اتفاق کرنے والوں پر حرام ہوگا۔

۲۱۔اس معاہدہ پر اتفاق کرنے والوں کے درمیان اگر کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہوجائے جس میں فساد کا خوف ہو تو اس کا فیصلہ خدا اور اللہ کے رسول محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کیا جائے گا۔

۲۲۔قریش کو پناہ نہیں دی جائے گی، نہ ہی اس کے مددگار و معاونین کو پناہ دی جائے گی۔

۲۳۔یثرت (مدینہ) پر جو بھی چڑھائی کرے گا اس کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا لازم ہوگا، اور یہ کہ معاہدہ ظالم و گنہگار کے درمیان حائل نہیں ہوگا۔

اس معاہدہ نے مدینہ کے تمام باشندوں، مہاجرین، انصار، یہود اور اس کے علاوہ دیگر لوگوں کو ان کے عقیدہ سے صرف نظر کرتے ہوئے شہریت کا حق دیا ہے، اور یہی وہ حقوق ہیں جو آج شہری یا مدنی حقوق کے نام سے معروف ہیں، اسی طرح اس معاہدہ نے مدینہ کی حکومت میں غیر مسلموں کو شہری قرار دیا اور اس حکومت میں ان کے حقوق بھی مسلمانوں کے حقوق جیسے قرار دئے گئے، اور ان پر بھی وہی ذمہ داریاں اور فرائض عائد کئے گئے جو مسلمانوں پر عائد کئے گئے، البتہ تشریع احکام سے متعلق مسلمانوں کے بعض مخصوص مسائل میں دیگر لوگوں سے الگ تھے۔

بعض اوقات بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں شہریت کا تصور صرف مسلمانوں کے درمیان ہے، ہم کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ مواقع پر رسول اللہ ﷺ اور یہودیوں کے درمیان مصالحت ہوئی، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شہریت کا تصور عام ہے، اسی طرح میثاق مدینہ کے دفعات بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں، اس کے علاوہ بہت سی آیات واحادیث اہل ذمہ کے احترام، ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کا حکم دیتی ہیں، اس سلسلہ کی سب سے نمایاں آیت اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

"لاینھاکم اللہ عن الذین یقاتلونکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" (سورہ ممتحنہ ۸:)۔

(جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی ہو اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ہو، ان کے ساتھ سلوک واحسان اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تمہیں نہیں روکتا، بے شک اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

اس بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمان جو اپنے دینی اقدار اور دینی احکام کی روح سے آشنا ہوں، ان سے اس کے علاوہ کسی اور بات کا امکان ہی نہیں ہے کہ وہ ایک اچھا شہری ہوگا، ذمہ داری کا احساس رکھنے والا، اپنے ہم وطنوں کے ساتھ تعاون وہم آہنگی رکھنے والا اور اپنے وطن کے تعلق سے غیریت وحمیت رکھنے والا ہوگا، کیونکہ اسلام انسان کو اپنے وطن سے مربوط رہنے اور اپنے دین اور پھر اپنے وطن کے ساتھ وفاداری پر آمادہ کرتا ہے۔

یہ دستوری معاہدہ نامہ دشمنوں کے خلاف مدینہ کے تمام گروہوں اور باشندوں کے درمیان ایک فوجی وعسکری معاہدہ وجود میں لانے اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ کسی بھی طرح کے تعاون سے روکنے پر اتفاق کے ساتھ ساتھ شہریت کے مسائل اور شہریوں کے حقوق وفرائض پر مشتمل ہے۔

چنانچہ دفعہ ۱/ تمام شہریوں کے درمیان شہری وحدت کی بنیاد کو مستحکم کرتا ہے، اور یہ ثابت کرتا ہے کہ مدینہ کے تمام گروہ اور باشندے حکومت کی رعایا ہیں، اور عصر حاضر کے مفہوم کے اعتبار سے حکومت کی عوام ہیں، یا امت کے مفہوم کو وجود میں لانے والی جماعتیں ہیں۔

اس کا دفعہ ۲/ مکہ میں قریش کے مشرکین کے ساتھ مدینہ والوں کی طرف سے تعاون پر پابندی عائد کرتا ہے، خواہ یہ تعاون جان کے تحفظ سے متعلق ہو یا مال کے تحفظ سے متعلق یا عام اقتصادیات سے متعلق۔

دفعہ ۳/ یہودیوں کے ساتھ باہمی نصرت وتعاون کی ضرورت کا اعلان کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں پر یہودیوں کا حق ہے کہ وہ ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد وحمایت کریں۔

دفعہ ۴ /مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ظلم وزیادتی کو چھوڑ کر عدل وانصاف کے دائرہ میں رہتے ہوئے شہری وطنی وحدت کا اعلان کرتا ہے، ظلم کی صورت میں ظالم اپنے ظلم کے انجام کا خود ذمہ دار ہوگا۔

دفعہ ۵ / دشمنوں کے ساتھ برسرے پیکار ہونے کی صورت میں حکومت کو اقتصادی طور پر مضبوط کرنے میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مساوات کی بنیاد کو مستحکم کرتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ حالت جنگ میں حکومت کے ساتھ وفاداری کا تعلق رکھنا اور اس کی نصرت وحمایت کا اعلان کرنا واجب ہے۔

دفعہ ۶ /مسلمانوں اور یہودیوں میں سے ہر ایک پر اقتصادی ذمہ داری اور بوجھ کو تقسیم کرتا ہے۔

دفعہ ۷ / تا دفعہ ۱۵ / (یہ اصل معاہدہ نامہ میں دفعہ ۲۶ سے دفعہ ۳۵ تک ہے) مسلمانوں اور یہودیوں کے نو قبائل کے درمیان (بنی عوف کے یہودیوں کو شامل کر کے) حقوق وفرائض میں برابری ومساوات کی بنیاد کو وضح کرتے ہیں۔

دفعہ ۱۶ /اور دفعہ ۱۷ / یہ دونوں دفعات اہل معاہدہ اور ان کے دشمنوں کے درمیان جوان سے برسر پیکار ہوں، باہمی نصرت وتعاون کی ترجیحات کو متعین کرتے ہیں، اور یہی عسکری ودفاعی مفہوم ہے، اس کے ساتھ ساتھ رائے، مشورہ اور نصیحت وخیر خواہی کے اظہار میں باہمی تعاون کی ضرورت کو بیان کرتے ہیں، اور یہی شہریت کا بنیادی واجتماعی مفہوم ہے۔

دفعہ ۱۸ /شخصی وانفرادی ذمہ داری کے اصول کو بیان کرتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنے خاص تصرفات اور اپنے ظالمانہ کردار کا خود ذمہ دار ہے، اور یہ اسلام کا قابل فخر ضابطہ ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

"ولا تزر وازرة وزر أخرى" (سورہ انعام ۱۶۴:) (اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے)۔

"كل أمرى بما كسب رهين" (سورہ طور ۲۱:) (ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے)۔

"كل نفس بما كسبت رهينة" (سورہ مدثر ۳۸:) (ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گروی ہے)۔

دفعہ ۱۹ / حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے کے اصول کی وضاحت کرتا ہے اور قضاء وفیصلہ کا مفہوم بیان کرتا ہے۔

دفعہ ۲۰ /شہریت کے جغرافیائی مفہوم کے دائرہ کی تحدید کرتا ہے۔

دفعہ ۲۱ / باہمی نزاع یا قانونی لڑائی کو ختم کرانے کی حالت میں اس کے مرجع وسرچشمہ کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے، یعنی حاکمیت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، اس لئے کہ اسلامی شریعت ایک زمینی دائرہ رکھتی ہے۔

دفعہ ۲۲ / قریش اور ان کے حلیفوں کے ساتھ عسکری وفوجی تعاون کے تمام تعلقات کو ختم کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

دفعہ ۲۳ / اس بات کا عام اعلان کرتا ہے کہ مدینہ کا دفاع کرنا واجب ہے، اور یہ کہ حق اور انصاف کی حالت میں مدد کی جائے گی، نہ کہ ظلم وزیادتی کی حالت میں، چنانچہ ظلم وزیادتی اور گناہ کی حالت میں شہریت اس کو بے گناہی اور امتیازی برتاؤ کا حق نہیں دے گی، کیونکہ اسلام حق کی مدد کرتا ہے نہ کہ باطل کی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام شہریوں کے ساتھ مساوات کی واضح بنیاد پر معاملہ کیا جائے گا، چنانچہ یہاں ایسا نہیں ہے کہ کچھ لوگ درجہ اول کے شہری ہوں اور دوسرے لوگ درجہ دوم یا درجہ سوم کے، کہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں، اور کسی کو نظام قانون کی پکڑ سے معافی نہیں دی جاسکتی خواہ اسکا تعلق جنائی قانون سے ہو یا دیگر دستوری، انتظامی یا ملکی قوانین سے۔

تیسرا مقصد: شہریت کے فرائض، قرآن وحدیث کی روشنی میں

شہریت ہر شہری پر کچھ فرائض عائد کرتی ہے، جن کو انجام دینا اور اس کے تقاضے کو پورا کرنا وطن کے حق اور اس کی سلامتی کا لحاظ کرتے ہوئے ضروری ہے، اس لئے کہ اگر وطن کے فرزندان وطن کے تئیں خود پر عائد ہونے والے حقوق کو پورے طور پر ادا نہیں کریں گے تو ان کے شہری حقوق بھی ضائع ہوجائیں گے جن کے وہ مستحق ہیں۔

شہریت کے بعض فرائض درج ذیل ہیں:

پہلی بات: حکومت اور وطن کے تئیں اخلاص ووفاداری اور ان لوگوں سے محبت وہمدردی جو وطن میں ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اسی طرح وہ ساتھ مل کر ہر مصیبت وتکلیف اور خطرات واندیشے کا سامنا کرتے ہیں اور وطن کے منافع سے ایک ساتھ فائدہ اٹھاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں وطن سب کے لئے خیر وبھلائی اور لطف ودلچسپی کا ذریعہ بن جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر أن الأرض يرثها عبادي الصالحون ان في هذا لبلاغا لقوم عابدين" (سورہ انبیاء ۱۰۵:)۔

(ہم زبور میں پند ونصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے، عبادت گزار بندوں کے لئے اس میں ایک بڑا پیغام ہے)۔

جہاں تک دشمنوں سے ولاء ووفاداری کی بات ہے تو یہ ایک واقعی اور حقیقی نقصان ہے، اور اس سے سوائے شر اور برائی کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی، اسی لئے اللہ تعالی نے دشمن کے ساتھ موالات وفاداری سے منع فرمایا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء تلقون اليهم بالمودة وقد كفروا بما جاءكم من

الحق" (سورہ ممتحنہ ۱:)۔

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، میرے اوپر اور خود اپنے اوپر دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، تم دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں)۔

نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین**" (سورہ بقرہ ۱۹۰:)۔

(تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا)۔

اور جو شخص اپنے ملک کے مفاد اور اپنے وطن کی مصلحت کے خلاف دشمنوں سے معاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملک اور وطن کے حقوق میں خیانت کرنے والا اور کوتاہی کرنے والا شمار کیا جاتا ہے، اور ہر خائن کو تاریخ باہر نکال دیتی ہے، اور وہ سزا کا مستحق قرار پاتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**یأیھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ و الرسول و تخونوا أماناتکم و أنتم تعلمون**" (سورہ انفال ۲۷:)۔

(اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو، اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں بھی خیانت مت کرو)۔

دوسری بات: وطن کا دفاع ایک مقدس فریضہ ہے، کیونکہ وطن ہر ایک کا ہے، اور بھلائی و برائی سب کو عام ہے، یہ دفاع جان و مال اور کائنات کی سب سے قیمتی شئی کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، اس وجہ سے ضروری ہے کہ جو شہری ہتھیار اٹھانے پر قادر ہو وہ جماعت پر فدا ہو جائے، اور سب کے لئے قربانی پیش کرے تا کہ تاریخ اسے معزز لوگوں کی صفحات میں جگہ دے، اور جب وہ تکلیف و مصیبت یا موت سے دوچار ہو تو زندہ و جاوید لوگوں میں شمار کیا جائے، شہداء کے مقام و مرتبہ کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"**ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ أمواتا بل أحیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ**" (سورہ آل عمران: ۱۶۹۔۱۷۰)۔

(جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھیں بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس، ان کو روزیاں دی جاتی ہیں)۔

دشمن کا مقابلہ یا تو جان سے ہوگا یا مال سے یا زبان سے یعنی (ذرائع ابلاغ کی جنگ) کیونکہ نبی پاک علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"جاهدوا المشرکین بأموالکم وأنفسکم وألسنتکم" (سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن بیہقی، صحیح ابن حبان)۔

(مشرکین سے اپنے مال، جان اور زبان سے جہاد کرو)۔

اور جب شہری دفاع کے فریضہ سے دستبردار ہوجائے گا تو اسی پر فدیہ یا ٹیکس دینا لازم ہوگا جسے قرآن کریم میں جزیہ کا نام دیا گیا ہے، اور جو سال میں ایک دینار ہے، چنانچہ اگر وہ خود جہاد کرے گا یا جہاد سے عاجز ہوجائیگا تو اس صورت میں اس سے اور اس جیسے لوگوں سے یہ فدیہ یا جزیہ ساقط ہوجائے گا۔

تیسری بات: حکومت کے نظام ودستور کا احترام:

اسلام نے ہر شہری پر عہد وپیمان اور حاکم کی بیعت کا لحاظ کرنا ضروری قرار دیا ہے، اسی طرح امت کے مفاد کا تحفظ کرنا اور اپنی دینی، اجتماعی، حفاظتی، اقتصادی، صحت اور ثقافت سے متعلق ذمہ داریوں کا ادا کرنا لازم ہے، کیونکہ اس سے امن وامان قائم ہوتا ہے، آپسی برتاؤ کے نظام کی حفاظت ہوتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں امت کی اقتصادی ترقی ہوتی ہے، اور خوشحالی آتی ہے، لاقانونیت وبدنظمی کا خاتمہ ہوتا ہے، فساد وانتشار کی بیخ کنی ہوتی ہے، اور پسماندگی وتخریب کے تمام اسباب ومظاہر کا ازالہ ہوجاتا ہے۔

چوتھا مقصد: شہریت کے حقوق، قرآن وحدیث کی روشنی میں:

شہریت کے حقوق قرآن وسنت کی روشنی میں شہریت کے فرائض سے کہیں زیادہ ہیں، اور یہ حقوق بڑی حد تک عالمی معاہدہ نامے میں دئے گئے شہریت کے بنیادی وضمنی حقوق سے بڑھ کر ہیں، ان میں سے بعض اہم حقوق درج ذیل ہیں:

پہلا حق: مذہبی وغیر مذہبی آزادی:

اسلام نے کسی کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرنے سے منع کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لاإکراہ فی الدین قدتبین الرشدمن الغی" (سورہ بقرہ ۲۵۶:)۔

(دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے روشن ہوچکی ہے)۔

اللہ تعالی اپنے رسول ﷺ کو تبدیلی مذہب پر کسی بھی طرح دباؤ ڈالنے یا زبردستی کرنے سے منع کرتے ہوئے مخاطب فرمایا ہے (اس اعتبار سے کہ آپ امت کے قائد ہیں، اور آپ کو خطاب کرنا پوری امت کو خطاب کرنا ہے) چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلهم أجمعین أفانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین" (سورہ یونس ۹۹:)۔

(اگرآپ کارب چاہتا تو روئے زمین کے سب ایمان لے آتے،تو کیا آپ لوگوں پرزبردستی کرسکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہوجائیں)۔

ایسااس لئے ہے کہ ہدایت اوراسلام کے بارے میں شرح صدرکاہونااللہ کی توفیق پرموقوف ہے،کیونکہ اللہ کومعلوم ہے کہ کس کے اندرحق قبول کرنے اور باطل کورد کرنے کی کتنی استعداد ہے، چنانچہ اللہ سجانہ وتعالی کاارشاد ہے:

"وألف بين قلوبهم لوانفقت مافى الارض جميعاماالفت بين قلوبهم ولكن الله ألف بينهم"(سورہ انفال ۶۳:)۔

(ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے،زمین میں جو کچھ ہے اگرتو ساراکاسارابھی خرچ کرڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملاسکتا، یہ تو اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی)۔

قرآن کریم نے آزادی مقررکرنے میں صرف عقیدہ کی آزادی پراکتفانہیں کیا بلکہ اسلام نے اپنے سیاسی طریقہ کارمیں عام نظام کے قواعد کو چھیڑ چھاڑ کئے بغیرتمام قسم کی آزادی کوشامل کیاہے،مثلاتنقیدواعتراض کی آزادی،نقل وحرکت کی آزادی،کام کاج کی آزادی، دینی شعائرکوبجالانے کی آزادی،حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

"وإنمابذلوا الجزية لتكون أموالهم كأموالنا ودمائهم كدمائنا"(صحیح البخاری، ج ۲،ص ۸۷:)۔

(ان لوگوں نے توجزیہ اس لئے دیاہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اوران کی جانیں ہماری جانوں کی طرح ہوجائیں)۔

اورفقہاءمعاہدہ کرنے والے اہل ذمہ کے حقوق کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لهم مالنا وعليهم ماعلينا"۔

ان کے بھی وہی حقوق ہیں جوہمارے ہیں،اوران کی بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جوہماری ہیں۔

غیرمسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تمام معاہدے اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ بغیرکسی اعتراض اورچھیڑچھاڑ کے غیرمسلموں کواپنے دینی اموروممعاملات انجام دینے کی اجازت ہوگی،اوران کی آزادی کوتسلیم کیاجائے گا، جیسے نجران کے نصاری سے رسول اللہ ﷺ کامعاہدہ ہوا،جن کوآپ نے مسجدنبوی میں ٹھہرایا، جب وہ آپ ﷺ کے مہمان بنکرآئے،اس معاہدہ نامہ میں درج ہے:

نجران اوراس کے اطراف والوں کے لئے اللہ کی پناہ اورمحمدجواللہ کے رسول ہیں،ان کاذمہ ہے،ان کے مال وجان،زمین وملت،غائب وحاضر، خاندان وعبادت خانے اورہرقلیل وکثیرکی حفاظت پرجوان کے زیرملکیت وزیرتصرف ہیں،کسی پادری کواس کے عہدہ سے،کسی راہب کواس کی رہبانیت سے،اورکسی کاہن کواس کی کہانت سے برخاست

نہیں کیا جائے گا، ان پر زمانہ جاہلیت کی نہ تو دیت ہوگی نہ خون ہوگا، نہ ان کو نقصان پہونچایا جائے گا، اور نہ ہی تنگی میں مبتلا کیا جائے گا، نہ ہی ان کی سرزمین پر کوئی لشکر چڑھائی کرے گا، ان میں جو بھی کوئی حق مانگے گا تو ان کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا، نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور ان پر ظلم کیا جائے گا (اخبار عمر، از علی طنطاوی، ص ۱۵۵)۔

اسی طرح بیت المقدس کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمر اور بیت المقدس کے باشندوں کے درمیان مقام جابیہ میں طے ہونے والا معاہدہ عمریہ ہے جس میں ان کے مال وجان اور کنیسہ وصلیب کی حفاظت وامان سے متعلق ضمانت دی گئی ہے، اسی طرح حضرت خالد بن ولید کے حیرہ اور حمص کے باشندوں سے اور حضرت عمرو بن عاص نے شہنشاہ مقوقس اور مصر کے قبطیوں سے اسی طرح کے معاہدوں پر صلح کی۔

اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق میں سے یہ ہیں کہ وہ اپنے خاندان وعائلی مسائل جیسے شادی بیاہ، فسخ وطلاق وغیرہ کو اپنے دین کے مطابق انجام دینے میں آزاد ہوں گے، اور جس چیز کو وہ حلال سمجھتے ہیں جیسے شراب اور خنزیر تو ان چیزوں کے استعمال پر ان کو سزا نہیں دی جائے گی۔

ان بلند وعالی مثالوں میں وہ نو آیتیں بھی ہیں جو حقوق انسانی اور زرہ چرانے کے الزام سے ایک یہودی کی براءت کے بارے میں نازل ہوئیں، جسے اطعمہ بن ابیرق نے اپنے ایک پڑوسی قتادہ نعمان کے گھر سے چرایا تھا، اور اس نے اور اس کے خاندان والوں نے اس زرہ کی چوری کا الزام زید بن سمین نامی یہودی کے سر تھوپنا چاہا، یہ آیتیں درج ذیل ہیں:

"اناانزلناالیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بماأراک الله ولاتکن للخائنین خصیما" (سورہ بنا ۲۴:)۔

(یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ تعالی نے تم کو شناسا کیا ہے، اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو)۔

اور اگر غیر مسلم معاہد افراد ہم مسلمانوں کے پاس اپنے مقدمات لے کر آنا چاہیں تو ان کو اسلامی عدالتوں میں مقدمات لے جانے اور فیصلہ کرانے کی آزادی حاصل ہے، اور ان کے تعلق سے حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا واجب ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"فان جاؤک فاحکم بینهم أو أعرض عنهم وان تعرضوا عنهم فلن یضروک شیئا وان حکمت بینهم فاحکم بینهم بالقسط ان الله یحب المقسطین" (سورہ مائدہ ۴۲:)۔

(اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کردیا کرو یا ان کو ٹال دو، اگر تم ان سے منہ پھیرو گے تو بھی یہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے، اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل کرنے

والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے)۔

دوسرا حق: انسانی عزت وکرامت کا حق

اللہ تعالی نے ہر انسان کو خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم مکرم و باعزت بنایا ہے، اس لئے کہ وہ بھی اللہ کی صناعت اور اس کی مخلوق ہے، اللہ تعالی انسان کے وصف کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"**لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم**" (سورہ تین ۴:)۔

(ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا)۔

حق تعالی نے جنس بشر وانسان کی تکریم کو قرآن کریم میں اس طرح واضح کیا ہے:

"**ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا**" (سورہ اسراء ۷۰:)۔

(یقینا ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی، انہیں خشکی وتری کی سواریاں دیں، اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی)۔

اسی تکریم الٰہی کے مظاہر میں سے یہ ہے کہ اللہ نے تمام فرشتوں کو ہمارے باپ حضرت آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا، ارشاد باری تعالی ہے:

"**واذ قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس أبی**" (سورہ طہ ۱۱۶:)۔

(اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا)۔

قرآن کریم میں یہ اور اس طرح کی دیگر آیتیں انسانی جان کے احترام کے وجوب پر مطلقا دلالت کرتی ہیں، خواہ زندگی کی حالت ہو یا مرنے کے بعد کی حالت ہو، اور ہم اوپر جان چکے ہیں کہ اسلام نے ایک آیت میں انسانی وحدت کی دعوت دی ہے:

"**یأیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحد**" (سورہ نساء ۱:)۔

(اے لوگو! ڈرو اپنے اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک اکیلی جان سے پیدا کیا)۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی نے مختلف قبائل اور قوموں کی آپسی ملاقات کو تعارف کی غرض سے واجب قرار دیا ہے، نہ پاپسندیدگی، باہمی اختلاف اور کشمکش کی غرض سے:

"**یأیها الناس انا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا**" (سورہ حجرات ۱۳:)۔

(اے لوگو! بے شک ہم نے تم کوایک مرداورایک عورت سے پیدا کیااورتمہیں قوموں اورقبیلوں میں تقسیم کردیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو)۔

حجۃ الوداع کے خطبہ نے اس کی مزید تائید کردی:

"**یاأیھاالناس ان ربکم واحدوان أباکم واحد**" (مسند احمد بن حنبل، ج ۱۲، ص ۲۲۶)۔

(اے لوگو! بے شک تمہارارب ایک ہےاور بے شک تمہاراباپ بھی ایک ہے)۔

قرآن کریم نے غیرمسلموں کے ساتھ بحث ومناظرہ کرنے میں اس بات کولازم قرار دیاہے کہ یہ جدال ومناظرہ اچھے انداز میں ہو، ارشاد باری ہے:

"**ولاتجادلواأھل الکتاب الابالتی ھی أحسن**" (سورہ عنکبوت ۴۶)۔

(اوراہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو، مگراس طریقہ پر جوعمدہ ہو)۔

قرآن کریم نے جھگڑے واختلافات اورمسائل ومشکلات پیدا کرنے اورکشمکش برپا کرنے سے روکنے کی خاطرمشرکوں اوربت پرستوں کے معبودوں کوبرابھلا کہنے کی اجازت نہیں دی ہے، چنانچہ ارشادخداوندی ہے:

"**ولاتسبواالذین یدعون من دون اللہ فسبوااللہ عدوابغیرعلم**" (سورہ انعام ۱۰۸)۔

(اورگالی مت دوان کوجن کو یہ لوگ اللہ تعالی کوچھوڑ کرعبادت کرتے ہیں، کیونکہ پھروہ جہل کی وجہ سے حد سے گزر کراللہ تعالی کی شان میں گستاخی کریں گے)۔

تکریم انسانیت اوراحترام آدمیت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب ایک یہودی کاجنازہ جارہاتھاتورسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے، آپ سے کہا گیا کہ یہ توایک یہودی کاجنازہ ہے،توآپ نے فرمایا: **ألیست نفسا** کیاوہ انسانی جان نہیں ہے۔

اورجب بھی رسول اللہ ﷺ کسی میت کی نعش کے پاس سے گزرتے توتکریم انسانی کی خاطراس کودفن کرنے کاحکم دیتے۔

حضرت عمربن الخطاب نے حضرت عمروبن العاص کے بیٹے اورخودحضرت عمروبن العاص سے صرف اسی لئے قصاص لیاکہ اول الذکرنے ایک قبطی کو جب اس کاگھوڑآگے بڑھ گیاتھایہ کہتے ہوئے کوڑامارا کہ "**انا ابن الاکرمین**" میں معزز باپ کابیٹاہوں، پھرانہوں نے حضرت عمروبن العاص حاکم مصرکے سرپرکوڑے مارے، اس لئے کہ بیٹے نے باپ کے اثرورسوخ کافائدہ اٹھایاتھا، اورپھرقبطی سے مخاطب ہوکرحضرت عمربن الخطاب نے کہا: "یہ زرہ لواور معزز باپ کے بیٹے کومارونی نی پھرحضرت عمرنے کہائی ئی یہ درہ عمروبن العاص کے سرپرمارونی نی کیونکہ خدا کی قسم ان

کے بیٹے نے تمہیں ان ہی کے دبدبے کی وجہ سے مارا، پھر حضرت عمرو بن العاص سے مخاطب ہوکر کہا:

"یاعمرو متی استعبدتم الناس وقدولدتھم أمھاتھم أحرارا"

(اے عمرو! تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا)۔

قرآن کریم میں دوسروں کی رائے کے احترام اوران کو حق جاننے اوراس کے رائے کو سمجھنے کے لئے غور وفکر کی دعوت دینے اور انسان کی عزت وکرامت کی حفاظت کی خاطر گفتگو اور مباحثہ کے آداب کوملحوظ رکھنے کی بلند مثالیں اور عمدہ نمونے وآداب موجود ہیں، جن کو قرآن نے اس آیت میں بیان کیا ہے:

"قل من یرزقکم من السموات والارض قل اللہ وانا وایاکم لعلی ھدی أو فی ضلال مبین" (سورہ سبا ۲۴:)۔

(اے نبی ﷺ پوچھئے کہ تمہیں آسمان وزمین سے روزی کون پہونچاتا ہے، خود جواب دیجئے کہ اللہ تعالی، سنو ہم یا تم یا تو یقینا ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں)۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں:

یہ ایسا منصف کلام ہے کہ ہر شخص جو اس کو سنے گا خواہ وہ دوست یا دشمن وہ اس کلام کے مخاطب سے کہہ پڑے گا: تمہارے دوست نے تمہارے ساتھ انصاف کیا، جیسے کوئی آدمی اپنے دوست سے کہے: اللہ جانتا ہے کہ ہم میں سے اور تم میں سے سچا کون ہے اور بے شک ہم میں سے ایک جھوٹا ہے۔

تیسرا حق: نجی اور ذاتی ملکیت کا حق

انسانی جان ومال (ملکیت) کی حفاظت کا حق مقاصد شریعت کا ایک بنیادی مقصد ہے، چنانچہ ملک ووطن میں رہنے والے کسی بھی انسان پر زیادتی حرام ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، ملک کا شہری ہو یا کسی اور ملک سے آنے والا، اس لئے کہ اسلام میں خون کی حرمت کو بڑی عظمت حاصل ہے، سوائے اس کے کہ کوئی کسی خیانت کا مجرم ہو، جیسے قصاص یا حد نافذ کرنا، اس کا مقصد بھی امن وسلامتی اور استقرار کی حفاظت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وما کان لمومن أن یقتل مومنا الا خطا" (سورہ نساء ۹۲:)۔

(کسی مومن کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے)۔

اس میں آیت میں لفظ مومنا سے صرف مومن ہی نہیں غیر مومن بھی مراد ہے، پھر اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاء ہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ وأعدلہ عذابا عظیما" (سورہ نساء ۹۲:۔ ۹۳)۔

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالی کا غضب ہے، اور اسے اللہ تعالی نے لعنت کی ہے، اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

نیز اللہ تعالی کا یہ بھی فرمان ہے:

"من أجل ذلک کتبناعلی بنی اسرائیل أنه من قتل نفسا بغیر نفس أو فساد فی الارض فکأنماقتل الناس جمیعاو من أحیاهافکانماأحیاالناس جمیعا" (سورہ مائدہ ۳۲:)۔

(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص بھی بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس شخص نے کسی ایک کی جان بچائی اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا)۔

ہم نے اسلام کی طرح کسی مذہب کو ایسا نہیں پایا جو ایک جان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے برابر قرار دیتا ہے، اور ایک جان بچانے کو تمام لوگوں کی جان بچانے کے برابر قرار دیتا ہے، اور مال بھی روح کا قرین اور ساتھی ہے، حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی اس کا ذکر ہے جو خطبہ ایک عام اور دائمی میثاق ہے:

"إن دمائکم وأموالکم وأعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذافی بلدکم هذافی شهرکم هذا" (صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۹۱:)۔

(بے شک تمہارا خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو اسی طرح تم پر حرام ہے جس طرح آج کے اس دن کی حرمت ہے، تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینہ میں)۔

غیر مسلموں کا خون، ان کی عزت و آبرو اور ان کے مال بھی مسلمانوں کی طرح ہیں، چنانچہ ان پر زیادتی اور دست درازی جائز نہیں ہے، یہ بات سنت نبویہ کے عین مطابق ہے اور تاریخ میں ثابت شدہ حقیقت ہے، محدثین نے روایت کیا ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا مقدمہ لایا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'ان أحق من أوفی بذمته' میں اس کا زیادہ حق دار ہوں جو اپنے عہد کو پورا کرے، پھر آپ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ اس مسلمان قاتل کو قتل کر دیا گیا، خلفاء راشدین بھی اسی راستہ پر گامزن رہے، بطور خاص حقیقی اور واقعی صورت میں حضرت عمر اور حضرت علی کے عہد میں۔

البتہ جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو وہ بھی زیادتی و جارحیت کا جواب دینے کے لئے ایک استثنائی قانون و شریعت ہے، جس طرح قدیم و جدید زمانہ میں قانونی جنگ کے بقیہ اصول و قواعد رہے ہیں۔

جہاد کی مشروعیت کے حالات درج ذیل ہیں:

۱۔زیادتی وجارحیت کا جواب دینا: چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین" (سورہ بقرہ ۱۹۰:)۔

اورلڑو اللہ کی راہ میں ان سے جوتم سے لڑتے ہیں، اورزیادتی نہ کرو، اللہ تعالی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

۲۔کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کرنا: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان" (سورہ نساء ۷۵:)۔

(بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اورناتواں مردوں اورعورتوں اور ننھے منھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو)۔

۳۔دعوت کی آزادی سلب کرلی جائے یاداعیوں کوقتل کردیاجائے، یامسلمانوں کوان کے دین سے ہٹادیا جائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"أذن للذین یقاتلون بأنھم ظلموا وأن اللہ علی نصرھم لقدیر" (سورہ حج ۳۹:)۔

(جن مسلمانوں سے کافر جنگ کررہے ہیں انہیں مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے)۔

اسلامی حکومت میں امان مسلمانوں، دائمی طور پر معاہدہ کرنے والے ذمیوں اورامان حاصل کرکے اسلامی ممالک میں داخل ہونے والے مستامن کو یکساں طور پر حاصل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وان أحد من المشرکین استجارک فأجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم أبلغہ مامنہ ذلک بأنھم قوم لایعلمون" (سورہ توبہ ۶:)۔

(اگرمشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تواسے پناہ دے دے، یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے، پھراسے اپنی جائے امن تک پہونچادے، یہ اس لئے کہ یہ لوگ بےعلم ہیں)۔

چوتھا حق: عدل وانصاف کا حق:

اسلام نے لوگوں کے درمیان حق، انصاف اورعدل کے ذریعہ بغیر کسی جانب داری اختیار کئے ہوئے یا ذمی کے خلاف مسلمانوں کی طرف مائل ہوئے یامسلمان کے خلاف اہل ذمہ کی طرف مائل ہوئے فیصلہ کرناواجب قراردیاہے، اس لئے کہ اسلام حق اورعدل کامذہب ہے، اورعدل وانصاف کی بدولت آسمان وزمان کا نظام قائم ہے، عدل وانصاف حکومت کی بنیاد ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"إن الله يأمركم أن تودوا الامانات الى أهلهاواذا حكمتم بين الناس أن تحكموابالعدل ان الله نعمايعظكم به ان الله كان سميعا بصيرا" (سورہ مائدہ ۴۲:)۔

(اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہونچادو، اور جب لوگوں کا فیصلہ کروتو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو، یقیناوہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کررہا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے)۔

کسی بھی حال میں قاضی کے لئے عدل وانصاف کے قاعدہ سے ہٹنا جائز نہیں ہے، یہاںتک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی نہیں، اللہ سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے: "یاأیھاالذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط و لایجرمنکم شنان قوم علی الا تعدوا اعدلوا هوأقرب للتقوی واتقوا الله ان الله خبیربماتعملون" (سورۂ مائدہ۸:) (اخبارالقضاۃ، ازوکیع، ج۲،ص۲۰۰:)۔

منصفانہ وعادلانہ فیصلے کے واقعات میں سے ایک وہ واقعہ ہے جو حضرت علیؓ اور ایک یہودی کے درمیان ایک زرہ کی ملکیت کے سلسلہ میں قاضی شریح کے سامنے پیش آیا، جب اثبات ملکیت کے شواہد پورے نہ ہوسکے، چنانچہ قاضی شریح نے حضرت حسن کی شہادت کو ان کے باپ حضرت علی کے حق میں قبول کرنے سے انکار کردیا اور یہودی کے حق میں زرہ کا فیصلہ کیا، یہ دیکھ کر اس یہودی نے برجستہ کہا کہ امیرالمومنین نے مجھے اپنے قاضی شرع کے سامنے پیش کیا اور انہی کے قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ کردیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دین دین حق ہے، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور اے امیرالمومنین یہ زرہ آپ ہی کا ہے، جو رات میں آپ سے گرگیا تھا (اخبار دمشق، از: ابن عساکر، ج۵،ص۳۵۸:)۔

غیرمسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب عباس بن ولید بن عبدالملک نے اہل حمص کی ایک معاہد (ذمی) کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا جسے ولید نے عباس کو قانونی طور پر دے دیا تھا، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس زمین کے بارے میں معاہد کے حق میں فیصلہ کیا اور کہا ئی اللہ کی کتاب ولید بن عبدالملک کی تحریر سے زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اے عباس! اٹھو اور اس ذمی کی جائیداد اس کو واپس کرو، چنانچہ انہوں نے وہ زمین اس ذمی کو واپس کردی۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو حکم دیا کہ وہ سمرقند کے علاقے سے اپنے لشکر کے ساتھ باہر آجائیں، کیونکہ وہ بغیر جنگی وارننگ واطلاع کے وہاں داخل ہوگئے تھے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں سمرقند کے بہت سے

باشندے مسلمان ہو گئے (الکامل، از: ابن الاثیر، ج ۵، ص ۴۴: ،فتوح البلدان، از: بلاذری)۔

اسی طرح قرآنی طرز عمل اور عملی کردار کو جو چیز مزید موکد کرتی ہے وہ سنت نبویہ میں موجود عدل وانصاف کے اصول کی پابندی سے متعلق قطعی تعلیمات ہیں، ان میں سے ایک وہ روایت ہے جس کی تخریج امام داؤد وامام بیہقی نے رسول اللہ ﷺ سے کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ألا من ظلم معاهداأو انتقصه أو كلفه فوق طاقته أوأخذ شيئابغير طيب نفس منه فاناحجيجه يوم القيامة"۔

(خبردار جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کی تنقیص کرے گا یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف بنائے گا یا اس کی طیب نفس کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا تو میں قیامت کے دن اس پر حجت قائم کروں گا)۔

پانچواں حق: مساوات و برابری کا حق:

عام عہدوں اور ملازمت میں معاہدہ کے ساتھ رہنے والے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے ساتھ یکساں حقوق حاصل ہیں، البتہ اکثریت کے رجحان کی ترجمانی کرنے والے بعض مخصوص حالات کے پیش نظر بعض اہم عہدوں جیسے صدر مملکت کا عہدہ یا انتہائی حساس عہدے جیسے فوج کی قیادت کا عہدہ اس سے مستثنی ہیں، جیسا کہ موجودہ دنیا کی حکومتوں اور سلطنتوں میں متعارف ہے۔

مذکورہ عہدوں کے علاوہ دیگر تمام عہدوں میں معاہد غیر مسلم باشندوں کے حقوق وفرائض میں مساوات کے حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، خواہ کسی قسم کی زیادتی سے مکمل تحفظ کا حق ہو، یا زندگی گزارنے، مذہبی آزادی کے ساتھ رہنے، اپنے مخصوص شعائر کو انجام دینے اور دیگر کسی بھی نوعیت کی آزادی کا حق ہو، قانون کے سامنے انہیں مساوات کا حق حاصل ہے، ملک کی قومیت سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے، اسی کے ساتھ انہیں اپنی خاص زبان استعمال کرنے میں آزادی کا حق حاصل ہے، اور انہیں یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ مدغم نہ ہوں، اور عائلی مسائل جیسے نکاح ،طلاق، وغیرہ میں اپنے مخصوص احکام اور طریقے کو نافذ کرنے اور ان پر عمل کرنے میں انہیں پوری آزادی حاصل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

اگر وہ لوگ جزیہ دینے کو قبول کرلیں (اور وہ دفاع کا ٹیکس ہے جس کی تعداد قدرت رکھنے والے افراد پر ایک دینار ہے) تو ان کے لئے بھی وہ حقوق ہوں گے جو ہمارے لئے ہیں، اور ان کے اوپر بھی وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو ہمارے اور پر ہیں، یعنی دوسروں کے ساتھ عدل وانصاف کرنا اور دوسروں سے عدل وانصاف کو حاصل کرنا، اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اوپر بھی ان کے حقوق ہیں، اور ان کے اوپر بھی ہمارے حقوق ہیں، اگر ہم ان کے خون اور مال کے درپے ہوں یا وہ

ہمارے خون اور مال کے درپے ہوں تو اس تعرض کے وقت ہم میں سے ایک دوسرے پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

علامہ ماوردیؒ لکھتے ہیں:

جزیہ دینے کے نتیجہ میں انہیں دوطرح کے حقوق حاصل ہوں گے، ایک تو ان سے ہاتھ روک لینا (یعنی ان سے تعرض نہ کرنا) دوسرے ان کی حفاظت کرنا تاکہ وہ ہاتھ روک لینے کی وجہ سے مامون ہوجائیں اور حفاظت کی وجہ سے محفوظ ہوجائیں، حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''**کان آخر ماتکلم به النبی ﷺ ان قال احفظوا فی ذمتی**'' (الاحکام السلطانیۃ، از ماوردی، ص ۱۳۸:)۔

رسول اللہ ﷺ نے سب سے آخر میں جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ کہ: ''میری ذمہ داری کے بارے میں میری حفاظت کرنا نی نی یعنی میرے معاہدے کا پاس ولحاظ کرنا۔

مسلمانوں کے ساتھ ذمیوں کو جو مساوات و برابری کا حق دیا گیا ہے اس کی مثالوں میں سے ایک وہ ضابطہ ہے جو دیگر فقہاء کرام نے مقرر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''**إن أصل الحرب إذا أسروا أهل الذمة من دارالإسلام لايملكونهم لأنهم أحرار**'' (الاموال، از: ابوعبید، ص ۱۹۱:)۔

(جنگ کا ضابطہ یہ ہے کہ جب مسلمان لشکر دارالاسلام کے ذمیوں کو گرفتار کریں گے تو وہ ان کے مالک نہیں ہوں گے، یعنی وہ ان کو غلام نہیں بنا سکیں گے کیونکہ وہ آزاد ہیں)۔

ان حقوق کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی عملی سنت ہے جیسا کہ طائف میں قبیلہ ثقیف کے لئے آپ ﷺ کے معاہدہ نامہ میں درج ہے، کہ اگر کوئی ثقیف کے خلاف کوئی اکسائے یا کوئی ظالم ان پر ظلم کرے، تو ان کے مال وجان کے سلسلہ میں ان کی بات نہیں مانی جائے گی، اور پیغمبر ﷺ اور تمام مومنین اس ظالم کے خلاف ان کی مدد کریں گے، اور لوگوں میں سے جنہیں یہ بات پسند ہو کہ وہ ان کے پاس جائے تو وہ ان پاس نہ جائے، اور بے شک بازار اور خرید وفروخت گھروں کے باہر صحنوں میں ہوگا، اور انہی میں سے بعض کو امیر بنایا جائے گا، بنو مالک کے لئے ان کے امیر ہوں گے، اور ان کے حلیفوں کے لئے ان کے امیر ہوں گے (اختلاف الفقہاء، از طبری، ص ۲۴۱:)۔

یہ معاہدہ نامہ آج کے خودمختارانہ نظام حکومت سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔

جہاں تک ان کی جان ومال پر کسی بھی قسم کی زیادتی کے خلاف ان کے دفاع کا تعلق ہے تو یہ متفق علیہ حکم ہے (شرح البخاری از: قسطلانی، ج ۵، ص: ۲۲۵)۔

جویر یہ بن قدامہ نے روایت کی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو فرماتے ہوئے سنا، اس وقت جب ہم نے امیر المومنین سے وصیت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ئی میں تمہیں اللہ کے ذمہ (عہد) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، بے شک وہ تمہارے نبی کا بھی ذمہ ہے، اور تمہارے بچوں اور زیر پرورش لوگوں کی روزی ہے (شرح البخاری از: قسطلانی، ج ۵، ص: ۲۲۵)۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اپنی وفات کے وقت جو گفتگو فرمائی ان میں سے یہ بات بھی تھی کہ ''میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو رسول اللہ ﷺ کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے عہد کو پورا کیا جائے، ان کے مقابل لوگوں سے قتال کیا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہ بنایا جائے (عمدۃ القاری، از عینی، ج ۱۵، ص ۸۶: ، شرح البخاری از: قسطلانی، ج ۵، ص: ۲۲۵)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی معاہد کو ناحق قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے (تفسیر المنار، از شیخ رشید رضا، ج ۴، ص ۷۴: ۔۸۱)۔

معاہد کو بعض اوقات کسی عام عہدے سے روکنے کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کسی مسلمان کو روکنا اور یہ مفاد عامہ کے پیش نظر اور بااختیار حاکم یعنی سربراہ مملکت یا مقننہ یعنی قانون ساز اداروں کے سربراہوں کے فیصلہ سے کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے انتظامی دفاتر کے لئے روم کے نصاری کو مقرر کیا تھا، اور ان کے بعد دونوں خلیفہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور ان کے بعد شاہان بنوامیہ اسی پر قائم رہے، یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان نے ان دفاتر کو رومیوں سے عربوں کی طرف منتقل کیا، عباسی حکمرانوں اور دیگر مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی بہت سی خدمات کو یہودیوں، عیسائیوں اور صابیوں کے سپرد کر رکھا تھا جن میں سے طبی خدمات اور تجرباتی سائنسی خدمت، اسی طرح سلطنت عثمانیہ نے اجنبی ممالک میں اپنے اکثر سفراء اور نمائندے عیسائیوں میں سے مقرر کئے تھے (الرسالۃ الخالدہ، از: پروفیسر عبدالرحمن عزام، ص ۱۰۸:)۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ممالک میں مستقل طور پر رہنے والے معاہد اور ذمی افراد دوسرے درجہ کے شہری نہیں ہیں جیسا کہ بعض کینہ پرور مستشرقین خیال کرتے ہیں، بلکہ وہ سب ایک ہی درجہ کے شہری ہوتے ہیں، اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ کا موجودہ زمانہ کے سامراجی نظام سے کسی طرح کا کوئی تعلق یا مشابہت نہیں ہے، اس لئے کہ اسلامی نظام آزادی، مساوات اور انسانیت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، جبکہ سامراجی نظام مغلوب اقوام سے آزادی سلب کرنے اور ان تمام چیزوں کو اپنے لئے مباح سمجھنے کی

بنیاد پر قائم ہوتا ہے جو ان اقوام کی ملکیت ہیں اور جن پر سامراج کو فتح حاصل ہوتا ہے، غیر مسلموں کے ساتھ اس سلوک و برتاؤ کی بنیاد دراصل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

"لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلونکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین، انماینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم أن تودوھم ومن یتولھم فأولئک ھم الظالمون" (سورۂ ممتحنہ ۸:، ۹ – الاسلام ومسٹر سکوٹ، از محمد عبدہ، ص ۳۰:)۔

یہ بات قابل غور ہے کہ مستشرق مسٹر سکوٹ جو شیخ محمد عبدہ کے معاصر ہیں، ان کا خیال ہے کہ ذمہ کو مخصوص رہائش، لباس، اسباب معیشت اور طرز زندگی میں وہ آزادی حاصل نہیں تھی جو مسلمانوں کو حاصل تھی، لیکن اوپر جو وضاحت کی گئی ہے کہ ذمیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مساوات کی بنیاد پر تمام حقوق حاصل تھے، اس سے ان کے اس دعوی کی تردید ہوجاتی ہے، البتہ جہاں تک لباس میں یا اسلام کے معروف طریقہ پر سلام کرنے میں جو نہ اس کے سلام کا طریقہ ہے اور نہ ہی ان کا عرف ہے، جو بعض ظاہری فرق نظر آتا ہے وہ دراصل زمانہ ماضی کے خاص وقتی حالات اور عرفی احوال کے پیش نظر تھا۔

فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل ذمہ معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں، اسلامی ممالک میں جو کام مسلمانوں کے لئے کرنا جائز ہے وہ ان کے لئے بھی جائز ہیں اور جو کام مسلمانوں کے لئے ناجائز ہیں وہ ان کے لئے بھی ناجائز ہیں (الفتاوی الخیریہ، ج ۱، ص ۹۲:)۔

اوپر کی باتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذمی حکومت کے عام فیصلہ کے تابع ہوں گے، اور ان پر بعض استثنائی معاملات جیسے عقائد، پرسنل لاء کے علاوہ میں اسلامی قانون نافذ ہوگا، ایسا اس لئے ہوگا کہ قانونی مرجع ہونے کی حیثیت تو اکثریت ہی کے قانون کو حاصل ہوگی، کیونکہ اسلامی شریعت کا نفاذ علاقہ پر ہوتا ہے نہ کہ کسی شخصیت پر، اور ذمی افراد بھی کامل درجے کے شہری شمار کئے جاتے ہیں، نہ کہ صرف سیاسی معاملات کے اعتبار سے رعایا، لہذا ان معاملات میں سے اسلامی قومیت بھی ہے (المدخل للفقہ الاسلامی، از: ڈاکٹر محمد سلام مدکور، ص ۳۷۹:)۔

چھٹا حق: حفاظت کا حق:

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی سرزمین میں کسی بھی خارجی دشمن سے غیر مسلموں کو تحفظ فراہم کرے، اس لئے کہ ان کو ہر قسم کی ایذا رسانی اور تکلیف پہنچانے والی چیزوں سے حفاظت و دفاع کا حق حاصل ہے، جس طرح مسلمانوں کو حاصل ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے ملک شام فتح کرتے وقت

جزیہ دینے پر شام والوں سے صلح کی (جیسا کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ذکر کیا ہے) تو جب اہل ذمہ نے اپنے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اور حسن سلوک دیکھا تو وہ مسلمانوں کے دشمنوں پر سخت ہو گئے، اور ان کے خلاف مسلمانوں کے معاون و مددگار بن گئے، چنانچہ وہی لوگ رومیوں اور ان کے بادشاہوں کے حالات اور ان کی خبروں کی جاسوسی کرتے تھے، اور جب مسلمانوں پر رومیوں کی جانب سے خطرہ بڑھ گیا تو ابوعبیدہ بن جراح نے حمص اور دیگر علاقہ کے نصاری سے لیا گیا جزیہ وخراج واپس کرنے کا حکم دیا، لہذا مسلمانوں نے ان سے وصول کیا گیا مال ان کو واپس کر دیا، یہ دیکھ کر ان لوگوں نے کہا ئی اللہ آپ لوگوں کو ہمارے پاس دوبارہ واپس لائے اور ان پر آپ کو فتح دے، کیونکہ اگر وہ لوگ ہوتے (یعنی رومی ہوتے) تو وہ ہمیں کچھ بھی واپس نہیں کرتے، بلکہ دیگر باقی ماندہ مال بھی لے جاتے، اور ہمارے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑتے نی نی، اور حمص اور دیگر علاقے کے باشندوں کو صلیبیوں کی حکومت کے زوال سے دوبارہ یہ خوشی حاصل ہوئی۔

اگر دشمنوں کی طرف سے بعض ذمیوں کو قید کر لیا جائے تو مسلمانوں پر ان کا چھڑانا واجب ہے، اس کی بھی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب تاتاریوں کو ملک شام پر غلبہ حاصل ہوا تو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں قطلو شا سے گفتگو کے لئے خود تشریف لے گئے، تاتاری سپہ سالار نے ذمی قیدیوں کو چھوڑ کر مسلمان قیدیوں کی رہائی پر اتفاق کیا تو علامہ ابن تیمیہ نے کہا ئی ہم یہود و نصاری کے تمام قیدیوں کو چھڑائے بغیر راضی نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہمارے اہل ذمہ ہیں، اور ہم کسی بھی قیدی کو نہیں چھوڑے گے، چاہے وہ اہل ذمہ میں سے ہوں یا اہل ملت میں سے، چنانچہ اس نے شیخ الاسلام کے اصرار اور ان کی شدت کو دیکھ کر سب قیدیوں کو رہا کر دیا (غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی، از: ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص ۱۰:)۔

یہ دراصل اہل ذمہ کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کی وصیتوں سے حاصل ہونے والی روشنی ہے جیسا کہ اوپر گزرا، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ذمیوں کو ایذا پہونچانے اور ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنے سے باز رہنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"من آذی ذمیا فقد آذانی و من آذانی فقد آذان اللہ" (آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دراسہ مقارنہ، ص ۷۰۸:)۔

(جس نے کسی ذمی کو تکلیف پہونچائی اس نے مجھے تکلیف پہونچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہونچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہونچائی)۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"من آذی ذمیا فأنا خصمه و من کنت خصمه خصمته یوم القیامة" (اس روایت کو خطیب نے اور علی القاری نے الاسرار المرفوعہ میں بیان کیا ہے، یہ ضعیف ہے)۔

جوکسی ذمی کوتکلیف پہنچائے گا تو میں اس کا فریق ہوں گااور میں جس کا فریق ہوں گا تو قیامت کے دن اس کومغلوب کردوں گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ألا من ظلم معاهداأو كلفه فوق طاقته أو أخذشيئابغير طيب نفسه منه فأنا حجيجه يوم القيامة'' (سنن البیہقی وغیرہ)۔

(خبردار! جوکسی معاہد پرظلم کرے گایااس کواس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف بنائے گایااس کی طیب نفس کے بغیراس کی کوئی چیز لے گا تو میں قیامت کے دن اس کا مدمقابل ہوں گے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی قسم کی تکلیف وایذاء سے غیرمسلم کی حفاظت ونگرانی کرنا اسلامی حکومت کی ایک بنیادی ذمہ داری ہے،علامہ قرافی فرماتے ہیں:

ذمہ اورعہد کا معاملہ ذمیوں کے تعلق سے ہم پر کچھ حقوق لازم کرتا ہے، کیونکہ وہ ہماری پناہ اور ہماری حفاظت میں ہیں، اوراللہ تعالی کے عہداوراس کے رسول ﷺ کے عہد دین اسلام کے عہد میں ہے، چنانچہ جوبھی ان پرزیادتی کرے گا گرچہ زبان سے کسی تکلیف دہ بات کے ذریعہ یاان میں کسی کی آبرو کے سلسلہ میں غیبت کے ذریعہ، یا کسی بھی قسم کی تکلیف کے ذریعہ ،تواس نے اللہ تعالی کے ذمہ ،اس کے رسول کے ذمہ اوراسلام کے ذمہ کوضائع کیا (کتاب الفروق، ج ۳،ص ۱۴:)۔

ساتواں حق: خصوصیات کے احترام کا حق:

مسلمان اپنے دین وشریعت کی تعلیمات پرعمل کرتے ہوئے اس قاعدہ کے مطابق کہ ئی ئی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کوان کے دین پرچھوڑ دیں نی نی غیرمسلموں کے ساتھ بہت بلند برتاؤ کرتے ہیں، چنانچہ اسلامی ملکوں میں مسلمان ان کواپنے عقائد، مذاہب اورمعاملات میں پوری طرح آزادی کے ساتھ رہنے کا حق دیتے ہیں، ان کوکسی بات پرتنگ نہیں کرتے ہیں،عقیدہ اوردینی ومذہبی شعائرورسومات ادا کرنے میں یعنی عبادت وریاضت اوردیگرمعاملات میں ان کے حقوق کااحترام کرتے ہیں، ان کواس بات کا بھی حق حاصل ہے کہ وہ جن چیزوں کومباح وجائز سمجھتے ہیں ان کوکھائیں اورپیئیں، جیسے نشہ آوراشیاء اورخنزیر کا گوشت کھانا، اپنے تہواروں اورمقدس ایام میں خوشی منانا، جنازہ میں شرکت ومشایعت کرنا، ایک دوسرے کی تعزیت کرنا، اس کے علاوہ دیگرتقریبات کاانعقاد کرنااوراس میں ایک دوسرے کوتہنیتی پیغام اورمبارکبادی پیش کرنا، اسی طرح جن جن باتوں پران سے معاہدہ کیا گیاہے ان اس کے علاوہ کسی اور بات پرمجبورنہیں کیا جاسکتا، اوران کاموں کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

وہ بقدرِ ضرورت اپنے کنیسوں اور عبادت خانوں کی مرمت وتعمیر کرنے میں بھی آزاد ہیں اور یہ تمام کام اسی دائرہ اور حدود میں کر سکتے ہیں جن کی اجازت موجودہ زمانہ کے مختلف قوانین میں طے شدہ آداب اور نظام عدل کے اصول وقواعد دیتے ہوں، چنانچہ انہیں اسلام کے بنیادی اصول اور مقدسات یعنی قرآن وحدیث، عقیدہ وعبادت، اخلاقی وتاریخی مسلمات میں سے کسی چیز کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے اور ٹھیس پہونچانے کا حق حاصل نہیں ہوگا، اسی طرح ان میں سے کسی چیز کے بارے میں بدزبانی یا استہزاء اور تمسخر کر کے دینی فتنہ وفساد بھڑکانے یا اسلامی اقدار، اس کی تاریخ وتہذیب پر زبان طعن دراز کرنے اور عزت وآبرو اور حرمت وکرامت پر دست درازی کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

آٹھواں حق: تعلیم وتعلم کا حق:

غیر مسلموں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنی تاریخ سے متعلق احوال وواقعات کو خود سیکھیں اور اپنے اسکولوں، گھروں اور کنیساؤں میں اپنے نوخیز بچوں کو اس کی تعلیم دیں، اس لئے کہ اسلام اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ مختلف قسم کے علوم وفنون حاصل کئے جائیں، ثقافتوں کو فروغ دیا جائے، تہذیب وتمدن اور بیداری ان تمام چیزوں کو فروغ دیا جائے، جو معاشرہ کے لئے نفع بخش اور مفید ہوں، اس لئے کہ اس کا فائدہ پوری قوم کو پہونچے گا، اور پسماندگی کے حالات کو ختم کرنے میں اس کا اہم رول ہوگا، اس سے عزت ووقار میں اضافہ ہوگا، اور کرامت وشرافت کی حفاظت ہوگی، اس سے داخلی اور خارجی برائیوں اور زیادتیوں کو دور کیا جا سکے گا۔

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ تعمیری، سنجیدہ اور بامقصد ڈائلاگ کیا جائے، اور بہتر طریقہ سے ان سے بحث ومباحثہ کیا جائے، جبکہ فتنہ بھڑکانا یا کشمکش برپا کرنا، کینہ، تعصب اور نفرت کی بیج بونا، یا وطن کی کرامت کے خلاف دشمنوں کی مدد اور ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرنا مقصود نہ ہو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"أدع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن" (سورہ نحل ۱۲۵:)۔

بلکہ قرآن کریم نے اہل کتاب، یہود اور نصاری کے ساتھ ڈائیلاگ اور بات چیت کے مسئلہ پر صراحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

"ولا تجادلوا أهل الکتاب الا بالتی هی أحسن إلا الذین ظلموا منهم وقولوا آمنا بالذی أنزل الینا وأنزل إلیکم وإلهنا وإلهکم واحد ونحن له مسلمون" (سورہ عنکبوت ۴۶:)۔

یہ بات بدیہی ہے کہ ان کو الحاد وزندقہ کی ترویج، مذہب پسندی کے مظاہر سے آزادی، یا اصول دین اور وحی الٰہی میں کسی بھی چیز پر طعن کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور یہی بات خود مسلمانوں کے لئے بھی ہے، کیونکہ اسے مفید اور نفع بخش تعلیم شمار نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ تو تخریب وتفریق اور مشکلات ومسائل پیدا کرنا ہوگا، امن وامان کو عام

کرنااور استحکام برقرار رکھنے کے لئے وطنی وحدت کے تقاضے کی حفاظت کرنا ان کا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ قوم کی ترقی اس بات پر منحصر ہے کہ آپس میں اعتماد واطمینان کی فضاء قائم کی جائے، اور آپسی گروہ بندیوں اور دھڑے بندیوں سے اوپر اٹھا جائے، جو جذبات کی یکسانیت اور قوم ووطن کی مصلحت کی حفاظت کو نقصان پہونچانے والی ہوں۔

نواں حق: اچھے برتاؤ اور حسن معاملہ کا حق:

حسن ظن اور اعتماد کی راہ ہموار کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مشترک فضاء قائم کرنے کی جدوجہد کی جائے، اور دونوں ہی کے مشترک مفاد میں یہ بات ہوگی کہ دونوں جانب سے حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہو، یعنی دوستانہ ملاقات ہو، ہدیے تحفے کا تبادلہ ہو، اجتماعی عرف وعادت کے مناسب خوشگوار سلام ودعاء ہو، بیماروں کی عیادت کی جائے، ایسے تہواروں اور خوشی کے مواقع پر مبارکبادی پیش کی جائے جس میں بنیادی عقائد پر آنچ نہ آتی ہو، مصائب وآلام اور رنج وغم پر ہمدردی ومحبت کا معاملہ کیا جائے اور ایک دوسرے کی تعزیت کی جائے، کیونکہ یہ بھی حسن سلوک کا ایک حصہ ہے، اور معاملات میں اعتماد کا پختہ ماحول بنانے اور قوم ووطن کے لئے مشترکہ بھلائی پیش کرنے کا حیات بخش فائدہ پوشیدہ ہے۔

اس کا سرچشمہ قرآن کریم کی وہ دو آیتیں ہیں جن کو اوپر بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہیں:

"لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوا کم فی الدین ولم یخرجو کم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انماینھاکم اللہ عن الذین قاتلو کم فی الدین وأخرجو اکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم أن تولواھم ومن یتولھم فأؤلئک ھم الظالمون" (سورہ ممتحنہ ۸:۔۹)۔

اور یہ انتہائی اہم دو اجتماعی بنیادوں کی وضاحت ہے، اول نیکی وبھلائی، الفت ومحبت اور اچھے کام اور اعتماد کو عام کرنا، دوم: دشمنوں کے ساتھ تعاون وخیر خواہی کرنے اور ان سے مدد طلب کرنے کی بہر صورت مذمت کرنا۔

بُر نی یعنی نیکی وبھلائی ایک مثبت قدم ہے جو اچھے برتاؤ کی فضیلت سے بڑھ کر ہے، نبی کریم ﷺ اہل کتاب کے مریضوں کی عیادت اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے، ان کے قرض کا لین دین کرتے تھے، اور ان کے تجار کے ساتھ تجارت کرتے تھے، ان کا استقبال کرتے تھے، ان کو اپنی مسجد میں بطور مہمان ٹھہراتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے نجران اور حبشہ کے عیسائیوں کے وفد کے ساتھ کیا۔

لفظ بُر نی کے معنی ومقصود کی تعین کرتے وقت بعض قدیم علماء نے اس کی کتنی عمدہ اور خوبصورت وضاحت کی ہے، چنانچہ علامہ قرافی فرماتے ہیں:

برکا مطلب ہے کمزوروں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، ان کے ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنا، ان کے بھوکوں کو کھانا کھلانا، ان کے ننگوں کو کپڑا پہنانا، ان کے ساتھ لطف ومہربانی کے طور پر نہ کہ خوف وذلت کے طور پر نرمی سے پیش آنا، اگر وہ پڑوس میں ہوں تو ان کی اذیت کے ازالہ پر قدرت کے باوجود ان کی اذیت کو برداشت کرنا، یہ سب کچھ ان کے ساتھ بطور مہربانی کے ہو نہ کہ خوف وطمع میں ہو، ان کے لئے ہدایت کی دعاء کرنا اور اس بات کی بھی دعا کرنا کہ وہ اہل سعادت میں بنادیئے جائیں، ان کے تمام امور میں خواہ دینی ہو یا دنیوی ان کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ کرنا، جب کوئی ان کو اذیت پہونچانے کے درپے ہو تو اس کی حفاظت کرنا، ان کے مال وعیال، ان کی عزت وآبرو، اور ان کے تمام حقوق ومصالح کا خیال کرنا، ان سے ظلم کو دفع کرنے پر ان کے ساتھ تعاون کرنا ، اور ان کو ان کے تمام حقوق تک پہونچانا (کتاب الفروق، ج ۳، ص ۱۵:، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: استوصوا باهل الذمة خيرا)۔

پوری تاریخ میں دائمی عمل کی صورت میں یہی رجحان برقرار رہا، اور مسلمان خلفاء اور حکام اور عامۃ المسلمین کے درمیان یہ ایک عام اور معمولی طریقہ کار اور طرز عمل بن گیا، خواہ مشرقی ممالک ہوں یا مغربی ممالک، اس وقت بھی مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کیا جب وہ خود اندلس سے بھگائے جارہے تھے، اور ان کا خاتمہ کیا جارہا تھا، یعنی ان کے ساتھ حفاظت وحمایت کا معاملہ کیا، اور ان کو کسی قسم کا نقصان یا ضرر پہونچنے نہ دیا، آرنولڈ نے اپنی کتاب ئی دعوت اسلام' (The Preaching of Islam) میں ذمیوں کے بارے میں لکھا ہے:

وہ لوگ یعنی ذمی حضرات اسلامی حکومت میں اطمینان وسکون اور خوش دلی کے ساتھ اسی طرح رہے جس طرح مسلم حکمرانوں نے اپنی قدیم عادت کے مطابق ہمیشہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری وکشادہ قلبی کا معاملہ کیا۔

یہ بات معلوم ہے کہ اسلام شہریت ووطنیت کے اصول کی حفاظت کرنے کی وجہ سے نفرت وکراہیت اور نسل پرستانہ تہذیب وثقافت کو مسترد کرتا ہے، اور دوسروں کے ساتھ خیرخواہی وبھلائی کی چاہت پر مسلمانوں کی تربیت کرتا ہے۔

دسواں حق: ضمان یا اجتماعی کفالت کا نظام:

اسلامی ممالک میں غیرمسلموں کو بھی طبی سہولیات، اجتماعی کفالت اور محتاجوں کی اعانت کے دائرہ میں شامل کیا گیا تھا، ان کے لئے بھی دائمی وظیفہ مقرر کیا گیا تھا، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا کام کاج سے عاجز ہوں، یا بے روزگار ہوں، اور ان کے پاس مناسب وجائز کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جو عملی صورت میں غیرمسلموں کے تعلق سے اس اصول کی رعایت پر دلالت کرتی ہیں۔

ان میں سے ایک مثال حضرت عمرؓ اور ایک عیسائی بوڑھے شخص کے درمیان کا قصہ ہے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ ایک بوڑھے آدمی کے پاس سے گزرے جو مسجدوں کے دروازوں پر جاجا کر جزیہ ادا کرنے کی غرض سے اپنی ضرورت

اور بڑھاپے کی وجہ سے بھیک مانگتا تھا، ان کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم تم سے تمہارے اس بڑھاپے میں بھی جزیہ لیتے رہے پھر ہم نے تمہیں تمہاری اس کبرسنی میں ضائع کر دیا، پھر حضرت عمرؓ نے ان کے لئے بیت المال سے اتنا وظیفہ جاری کر دیا جس سے ان کی حالت درست ہو جائے، اور ان سے اور ان جیسے لوگوں سے جزیہ ساقط کر دیا (الخراج از: امام ابو یوسف، ص ۱۲۶: منتخب کنز العمال من مسند احمد، ج ۲، ص ۳۰۹:)۔

حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں مصارف زکوۃ کی آیت ''**انما الصدقات للفقراء والمساکین**'' سے استدلال کیا (سورہ توبہ ۶۰:)۔

فقراء سے مراد تو خود مسلمان بھی ہیں اور یہ شخص اہل کتاب کے مساکین میں سے تھے۔

حضرت خالد بن ولید اور حیرہ والوں کا واقعہ:

حضرت خالد بن ولیدؓ اور عراق میں واقع حیرہ کے باشندوں کے درمیان طے پانے والے صلح نامہ میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''میں نے ان کو حق دیا ہے کہ جو بھی شخص بڑھاپے کی وجہ سے کام سے عاجز ہو جائے گا یا اسے کوئی آفت و پریشانی لاحق ہو یا وہ پہلے مالدار تھا پھر محتاج ہو گیا ہو اور اس کے مذہب والے اس کو صدقہ دیتے ہوں، ایسے شخص کا جزیہ اس سے ساقط کر دیا جائے گا، اور بیت المال سے اس کی اور اس کے اہل وعیال کی کفالت کی جائے گی، جب تک وہ دار الہجرت اور دار الاسلام میں مقیم رہے گا فی فی (کتاب الاموال، از ابو عبید، ص ۵۷:)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز اور بصرہ میں ان کے عامل کا قصہ:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بصرہ کے عامل عدی بن ارطاۃ کے نام فرمان جاری کیا جس میں لکھا کہ فی فی تمہارے پاس جو بھی اہل ذمہ ہیں ان میں سے جو بوڑھے ہو گئے، جن کے اعضاء کمزور ہو گئے، جن کے اسباب معیشت ختم ہو گئے، ان کی خبر گیری کرو اور مسلمانوں کے بیت المال سے ان کے لئے اتنا وظیفہ جاری کر دو جس سے ان کی حالت درست ہو جائے فی فی (کتاب الاموال، از ابو عبید، ص ۵۷:)۔

اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق کے یہ چند نمونے ہیں جسے تاریخ نے بڑی خوبصورت انداز اور عمدہ اسلوب میں ہمارے لئے ریکارڈ کیا ہے، اور یہ سب کتاب وسنت اور اسلامی تاریخ سے مستفاد ہیں، اور یہی اسلام میں انسانی حقوق کی واضح قسمیں ہیں، اور انہی حقوق کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ عالم اسلام میں غیر مسلم اقلیتیں اسلامی امت کا ایک حصہ ہیں، اور وہ شہریت ووطنیت، اسلامی قومیت اور اس پر مرتب ہونے والے بنیادی حقوق سے مستفید ہو رہے ہیں، اور ناموں کے اختلاف کے باوجود وہ مسلمانوں کے ساتھ برابر درجہ کے شہری ہیں، چنانچہ زکوۃ مسلمانوں کے ذمہ ایک فریضہ ہے، یہ اس لئے فرض کیا گیا ہے تاکہ یہ اسلام میں اجتماعی کفالتی نظام کو بروکار لانے میں زبردست

کردار ادا کر سکے، اور یہ پانچ قسم کے مالوں میں فرض کیا گیا ہے:

۱۔نقد رقومات پر ۲۔تجارتی اموال پر ۳۔کھیتی اور پھلوں پر ۴۔جانوروں پر ۵۔خزانے اور قیمتی معادن پر، اور یہ آمدنی کے بیس فیصد سے زائد ہے، جبکہ نقدی یعنی سونے چاندی اور رقومات میں زکوۃ کا تناسب ڈھائی فیصد ہے۔

اور جسے جزیہ کہا جاتا ہے اسے اگر آپ چاہیں تو زکوۃ کہہ لیں یا صدقہ یا ٹیکس، جیسے عرب کے نصاری بنی تغلب پر لاگو کیا گیا تھا، جنہوں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا تھا اور صدقہ کے ضابطہ کو قبول کیا تھا، یا اسے جزیہ اس معنی میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ دراصل جنگوں میں شرکت کا بدل ہے، اور وہ بھی صرف سال میں ایک دینار ایسے لوگوں پر لازم کیا گیا ہے تو کمانے پر قادر ہوں، آج غیر مسلموں کی بھی موجودہ زمانے کی حکومتوں کے قانون میں مسلمانوں کی طرح مختلف قسم کے ٹیکس ادا کرنے ہوتے ہیں جو ایک دینار سے کہیں زیادہ ہے۔

عین اسی وقت ہم دوسری طرف دنیائے مشرق ومغرب کے چہار جانب مسلم اقلیتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ چھ سو ملین سے زیادہ تعداد میں ہیں، پھر بھی انہیں صحیح شہریت کے حقوق حاصل نہیں ہیں، اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے، اگرچہ ان کو کسی حد تک اپنے دینی شعائر کی ادائیگی میں آزادی حاصل ہے، لیکن وہ قانونی اعتبار سے عائلی مسائل میں بھی اپنے اوپر اسلامی شریعت نافذ کرنے سے محروم ہیں، اور حقیقی صورت حال کے اعتبار سے اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی مسائل میں ان کے ساتھ دوسرے شہریوں کے برابر کا برتاؤ نہیں کیا جاتا ہے، غیر مسلموں کے ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ عام حساس واقعات کے رونما ہونے پر بہت برا سلوک کیا جاتا ہے، خواہ یہ معاملہ نظام حکومت میں ہو یا حقوق انسانی کی مختلف قسموں کو برتنے میں ہو، اور اس کی نئی اور پرانی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔مورخہ ۲۰۰۵/۹/۳۰ء کو پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی کے استہزاء پر مشتمل کارٹون شائع کیا گیا اور پورپ کے اخبارات اور بعض عرب اخباروں نے اچھی یا بری نیت سے اسے مسلسل شائع کیا، اور اس کی توجیہ یہ پیش کی کہ اس معاملہ کا تعلق اظہار رائے کی آزادی سے ہے، اور اس میں حکومت کوئی مداخلت نہیں کر سکتی، یا دیگر بہت سے اخبارات میں یہ توجیہ پیش کی گئی کہ اس کا تعلق صحافت کی آزادی سے ہے۔

۲۔اسی طرح حضرت عیسی مسیح علیہ السلام کی شخصیت کو مجروح کرنے والے ڈرامہ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی گئی، یہ جانتے ہوئے کہ ہم مسلمان تمام پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں۔

۳۔یورپ کے اسکولوں کے نصاب تعلیم میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بعض جھوٹی اور مغالطہ آمیز معلومات شامل کی گئی ہیں، اور انہیں نصاب کی کتابوں میں اپنی جانب سے گڑھ کر اسلام کے نام پر پیش کیا گیا ہے۔

۴۔قبرص میں ایک ریڈیو اسٹیشن قائم کیا گیا ہے جس کا مشن ہی اسلام پر مسلسل حملہ کرنا اور اسلامی آثار کی صورت

مسخ کرنا ہے۔

۵۔مغرب کے بعض ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو اس لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کو جھوٹ ، بہتان اور مغالطہ کے ذریعہ دہشت گرد کے طور پر مشہور کیا جائے۔

۶۔مسجد اقصی کے نیچے سرنگیں کھودی گئی ہیں جن سے مسجد اقصی کو حقیقی خطرہ لاحق ہے۔

شہری حقوق کی پامالی اور بعض ناروا سلوک کی یہ چند مثالیں ہیں، جن کا غیر مسلم ملکوں میں مسلم اقلیتیں سامنا کر رہی ہیں، تو پھر عالمی استحکام اور امن قائم کرنے، دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ کرنے اور شہریت کے اصول کا احترام کرنے کی سوچ کہاں چلی گئی!

خاتمہ: بحث کے نتائج اور تجاویز:

اوپر جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان سے درج ذیل نتائج بطور خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

۱۔اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے جامع انسانی وحدت کی دعوت دی تا کہ لوگ الفت ومحبت ،تعاون وہمدردی اور امن واستحکام کے ساتھ زندگی گزاریں اور یہ کہ اسلام ہی نے وطن سے تعلق رکھنے اور وفاداری اختیار کرنے پر مسلمانوں کو آمادہ کیا ہے۔

۲۔اسلام میں شہریت ایک تمدنی وسیاسی مفہوم ہے جبکہ اسلام کے علاوہ میں یہ ایک دینی مفہوم ہے، یہی وجہ ہے کہ شہریت نسلی، مذہبی اور ثقافتی تنوع کے باوجود معاشرہ میں اعتدال وتوازن پیدا کرتی ہے۔

۳۔وطنیت وشہریت صرف اس بات کا تقاضہ نہیں کرتی کہ انسان وطن کے ذمہ اپنے لازمی حقوق کا مطالبہ کرے بلکہ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وطن کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو بھی ادا کرے۔

۴۔شہریت کے حقوق میں سے مذہبی آزادی ، ایک دوسرے کی خصوصیات کا احترام اور نجی ملکیت کا حق ہے، اسی طرح انسانی کرامت کا حق، حمایت وحفاظت کا حق، اور عقیدہ کی آزادی کا حق ہے، عدل وانصاف اور مذہبی مساوات کا حق اور اچھے برتاؤ کا حق ہے۔

۵۔شہریت کے فرائض میں سے اچھے کاموں میں ولی امر یعنی حاکم وامیر کی اطاعت، وطن کا دفاع، قانون کا احترام اور دوسرے کی خصوصیات وآزادی کا احترام ہے۔

بعض تجاویز درج ذیل ہیں:

الف۔صحیح اسلام کو سمجھنے، اسلام کے بارے میں مسخ شدہ خیال کو ترک کرنے، حق وانصاف اور عدل ومساوات کی باتوں پر کان دھرنے اور عمدہ اخلاق کے اصولوں پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے۔

ب۔ثقافتی وتہذیبی ڈائیلاگ اور دوسری تہذیبوں کے احترام کو فعال بنانے کی کوشش کی جائے۔

ج— اسلام کی رواداری ہی امن واستحکام کی فضاء قائم کرسکتی ہے،اور دوسروں کے تعلق سے ہر قسم کے تعصب وکراہیت اور نفرت وحسد کو ختم کرسکتی ہے،اور اسی سے انتہاپسندی،غلووزیادتی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

د— جذبہ خیرسگالی، دوستانہ بقائے باہم اور حقوق وفرائض کے احترام پر قائم پرامن بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں کے احترام کی دعوت دی جائے،خواہ مسلموں کے ملک میں ہو یا غیر مسلموں کے ملکوں میں۔

☆☆☆